



يَا أَيُّهَا النَّاسُ!

یادِ فشکال

تعزیتی ادارے اور شذرے

رَشَعَاتِ قَلَمٍ
مُحَدِّثُ الْعَصْرِ حَضْرَتُ مَوْلَانَا سَيِّدِ مُحَمَّدٍ يُوسُفُ بُنُورِي

مکتبہ نبوتیہ
جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی



يَا اسْتَفِيْ!

يادِ فِشْگال

تغزیتی ادارے اور شذرے

رَشَات قَلَم

مُحَدَّث الْعَصْرُثِ مَوْلَانَا سَيِّدُ مُحَمَّدٍ يُوْسُفُ بْنُوَرِي

مَكْتَبَةُ رَدِّيَّتَا

جَامِعَةُ الْعِلْمِ وَالْإِسْلَامِيَّةِ

عَسَاكِمَةُ بَنُوْرِي شَاوْنِ كَرَاچِي

کتاب کا نام:..... یادِ فِثْکال
از قلم:..... مُحدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ
ناشر:..... مکتبہ بیتنا
صفحات:..... 215
سن اشاعت:..... 1441ھ / 2020ء



Tel: 92-21-34927233 - 34913570-34123366-34121152 Ex. 146-147
E-mail: bayyinat@banuri.edu.pk
www.banuri.edu.pk



كَلَامُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَنَبِيِّ وَجْهِ رَبِّكَ وَالْجَلِيلِ الْأَكْبَرِ



پیش لفظ

جامعہ کے بانی و مدیر، والد بزرگوار، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۷ھ) نے جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ / اکتوبر ۱۹۶۲ء میں جامعہ کے شعبہ نشر و اشاعت میں ایک اہم اور مستقل سلسلے کا اجراء فرمایا، قرآن و سنت کی علمبرداری اور ترجمانی کے شعار کے ساتھ ”ماہنامہ بینات کراچی“ علمی، تحقیقی، فکری اور ادبی مجلے کے طور پر دنیا کے صحافت میں نمودار ہوا، اور الحمد للہ علمی و قلمی دنیا میں خوب پذیرائی سمیٹی۔

”ماہنامہ بینات“ میں ”بصائر و عبر“ کے ادارتی عنوان کے علاوہ ”دارالافتاء“، ”نقد و نظر“ اور ”یادِ رفتِ گال“ تقریباً مستقل عنوانات رہے، ”یادِ رفتِ گال“ کے تحت مختلف شخصیات کے سفر آخرت پر ان کی حیات و خدمات کا تذکرہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے قلم سے شامل ہوتا رہا۔ بسا اوقات آپ شخصیات کا ذکر ”یادِ رفتِ گال“ کے بجائے ادارہ ”بصائر و عبر“ میں ”وفیات“ کے عنوان کے تحت ہی لکھ دیتے تھے۔

چنانچہ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۴ھ مطابق نومبر ۱۹۶۴ء کو آپ نے ماہنامہ بینات میں یہ سلسلہ شروع فرمایا اور پھر آپ کے وصال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ وقتاً فوقتاً مختلف دینی، سیاسی اور بین الاقوامی شخصیات سے متعلق آپ اپنے تاثرات اور تعزیتی کلمات لکھتے رہے۔

آپ کی ان تمام تحریرات (بشمول بصائر و عبر، علمی مقالات و وفیات) کو آپ کے تلمیذ خاص حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ نے تین ابواب (۱) مقالات علمیہ (۲) حالاتِ حاضرہ (۳) وفیات میں تقسیم کر کے مرتب کیا اور یہ حسین گلدستہ ”بصائر و عبر“ کے نام سے دو جلدوں میں ادارہ بینات سے شائع ہو چکا ہے۔

”وفیات“ (دنیا سے رحلت فرمانے والی شخصیات سے متعلق تحریرات) چونکہ ایک مستقل موضوع تھا، اور اس موضوع سے متعلق تحریرات بیسیوں صفحات پر مشتمل تھیں، اس لیے اسے مستقل کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ نیز حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے بعض مضامین ماہنامہ ”بینات“ کے اجراء سے قبل پاک و ہند کے مختلف رسائل میں تحریر فرمائے تھے، وہ مضامین بھی ہمیں مختلف حضرات کی کوششوں سے موصول ہوتے رہے اور وقتاً فوقتاً بینات میں تکرار کے طور پر شائع ہوتے رہے۔ ان مضامین میں سے ایک مضمون شیخ العرب والجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، دوسرا مضمون امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی ذات سے متعلق تھا جو ماہنامہ ”نقیب ختم نبوت“ میں شائع ہوا تھا، اور تیسرا مضمون آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید زکریا بنوریؒ کی شخصیت سے متعلق ہے، جو پہلے ایک مستقل کتابچہ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے، یہ تینوں مضامین بھی اس مجموعہ کی زینت ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو حضرت والد صاحبؒ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور ان نفوس قدسیہ کے تذکرہ کو ہماری رہبری کا ذریعہ بنائے اور ہمیں اپنے اسلاف و اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

سید سلیمان یوسف بنوری

رجب المرجب ۱۴۴۱ھ

مارچ ۲۰۲۰ء

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات
۵	پیش لفظ
۱۳	دین و علم دین مدرسہ و خانقاہ کا حادثہ کبریٰ (شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی)
۱۹	ہندوستان میں خطابت کے ائمہ اربعہ اور امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام
۲۴	مولانا مفتی محمد صادق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ
۲۵	مولانا سید اظہار الحق سہیل عباسی مروہی رحمۃ اللہ علیہ
۲۶	الحاج خواجہ ناظم الدین رحمۃ اللہ علیہ
۲۷	مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ
۳۱	مولانا عبد الرحمن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ
۳۶	مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۸	مولانا عبد الحنان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
۳۹	مولانا عبد الخالق رحمۃ اللہ علیہ
۴۰	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی والدہ ماجدہ کی وفات کا حادثہ
۴۲	مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۴۳	مولانا جان محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ
۴۴	مولانا شیر محمد سندھی رحمۃ اللہ علیہ
۴۶	مولانا احمد حسن چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ
۴۷	مولانا محمد اسماعیل چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ
۴۸	مولانا تاج الاسلام رحمۃ اللہ علیہ
۴۹	اہلیہ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
۵۰	حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ
۵۲	مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۵۳	مولانا سید حمید الدین فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۵۵	مولانا شمس الحق فرید پوری رحمۃ اللہ علیہ
۵۶	مولانا نصیر الدین غور غشتی رحمۃ اللہ علیہ
۵۸	حاجی محمد یعقوب کالیہ رحمۃ اللہ علیہ
۶۰	مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
۶۲	مولانا عبد الغفور عباسی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
۶۵	حضرت مولانا محمد مبین خطیب رحمۃ اللہ علیہ
۶۶	مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ
۶۷	مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ
۶۹	عالم آخرت کے دو مسافر: مولانا سید محمد طلحہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ ، مولانا عبد الشکور کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

۷۲	مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
۷۹	مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
۸۱	مولانا خدابخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ
۸۲	مولانا سید محمود احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
۸۳	مولانا محمد عثمان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
۸۵	شیخ محمد نصیف رحمۃ اللہ علیہ
۸۷	مولانا محمد رسول خاں ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
۸۹	مولانا حکیم سید عبدالجبار حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۹۰	مولانا عرض محمد بلوچستانی رحمۃ اللہ علیہ
۹۱	مولانا محمد خلیل انگوی رحمۃ اللہ علیہ
۹۲	مولانا حافظ حکیم عبدالحمید لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ
۹۵	مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۹۷	وفات اہلیہ محترمہ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہا
۹۹	مولانا حبیب اللہ گمانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۱	مولانا عبدالعزیز ساہیوال والے رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۲	مولانا عبدالجبار ابوہر مندھی والے رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۳	سید جلیل الرحمن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۵	مولانا قاضی عبدالرب رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۶	مولانا حافظ حبیب اللہ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۷	مولانا عبدالرحیم اشرفی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۸	حاجی ابراہیم میاں سملکی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۱	آغا عثمان جان مجددی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۱	مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۲	مولانا پیر خورشید احمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۲	حافظ ابوالحسن پشاوری رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۳	حاجی حبیب احمد پاکولا والے رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۴	مولانا گل بادشاہ طوروی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۶	مولانا عبدالحق نافع رحمۃ اللہ علیہ
۱۲۲	حزینہ (اشعار بروفات مولانا عبدالحق نافع رحمۃ اللہ علیہ)
۱۲۳	مولانا عبدالمنان میواتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۲۵	حاجی علی محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ
۱۲۷	الشیخ محمد ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ
۱۲۹	مولانا سید شمس الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ
۱۳۱	مولانا عبدالرحمن جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
۱۳۴	مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ
۱۳۶	مولانا خیر محمد بہاولپوری مہاجرکی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۸	مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۴۳	مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۴۷	مولانا محمد یوسف عباسی رحمۃ اللہ علیہ
۱۴۹	مولانا محمد زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ
۱۵۱	سیدہ فاطمہ بنوریہ رحمۃ اللہ علیہا
۱۵۵	الفقید الراحل جلالۃ الملک شاہ فیصل شہید رحمۃ اللہ علیہ
۱۵۸	مولانا عبد الودود مردانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۵۹	آہ! علامہ ابوالوفا قندھاری رحمۃ اللہ علیہ
۱۶۶	قاری محمد حسن امر و ہوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۶۷	مولانا ابوالاحمد عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۶۹	مولانا فاروق احمد بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ
۱۷۰	مولانا گل محمد سکھروی رحمۃ اللہ علیہ
۱۷۲	مولانا عبد الباری انصاری لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۷۵	مولانا سید مہدی حسن شاہ جہان پوری رحمۃ اللہ علیہ
۱۷۸	حالاتِ محدث شاہ جہان پوری
۱۸۳	مکتوب منظوم
۱۸۴	مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ
۱۹۰	مولانا اطہر علی بنگالی رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۲	نواب محمد مسعود علی عیسیٰ
۱۹۴	مولانا محمد احمد تھانوی عیسیٰ
۱۹۶	مولانا عبد الماجد دریابادی عیسیٰ
۱۹۷	حکیم عبد السلام صاحب ہزاروی عیسیٰ
۱۹۹	مولانا سید محمد زکریا بنوری عیسیٰ (والد ماجد حضرت بنوری)

دین و علم دین مدرسہ و خانقاہ کا حادثہ کبریٰ

العارف باللہ، مجاہد امت، محدث وقت شیخ العصر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مقدسہ کے اتنے مختلف گوشے ہیں کہ ہر ایک گوشہ مستقل مضمون و مقالہ کا محتاج ہے اور باوجود اس کے نہ حق ادا ہوگا، نہ آئندہ نسلیں اس کا یقین کر سکتی ہیں کہ واقعی اس پُر فتن دور میں کوئی ایسی فوق العادہ ہستی تھی۔ مسلمانوں کے زوال و ادبار کے دور میں اخلاق کی پستی کے عہد میں اخلاص کے فقدان کے زمانہ میں ایسی میجر العقول جامع کمالات شخصیت کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔ شاعری اور مبالغہ آمیزی کے دور میں حقائق و واقعات کی صحیح ترجمانی بے حد مشکل ہے۔ عام طور سے یہ ایک عادت بن گئی کہ مضمون نگار اس انداز سے قلم اٹھاتا ہے کہ پڑھنے والا سب سے پہلے صاحب مضمون کے کمال فصاحت و بلاغت کا معترف ہو اور سب سے پہلے وہ خراج تحسین حاصل کرے۔ ظاہر ہے کہ شاعری کے اس دور میں کسی حقیقت کے چہرہ سے نقاب کشائی کیسی ہو سکتی ہے۔ غیر ذمہ دارانہ مبالغہ آمیزیوں سے اس دور میں حقائق اتنے مشتبہ ہو گئے ہیں کہ حقیقت کی سراغ رسانی اس زمانہ کے مقالات و تاریخوں میں عنقا ہو گئی ہے۔ اس زمانہ کی تاریخ کیا ہے۔ مصنف کے مخصوص زاویہ نگاہ سے ایک حقیقت کے چہرہ پر مبالغہ آمیزی کا ایک اتنا انبار لگ

جاتا ہے کہ اس کا ہٹانا اور واقعیت تک پہنچنا ہر شخص کا کام نہیں۔ حضرت کے سوانح نگار بہت کچھ لکھیں گے اور عقیدت مند بہت کچھ لکھ چکے ہیں، لیکن جو کمال کسی کو خود حاصل نہ ہو، اس کا صحیح ادراک کیونکر ہوگا۔ اور جب خود حقیقت تک رسائی نہ ہو اور لوگوں کو کیا سمجھا جائے گا، مثلاً حضرت مرحومؒ کی باطنی نسبت اور تعلق مع اللہ کی کیفیت جسے خود یہ سعادت اس درجہ کی حاصل نہ ہو اس کی ترجمانی کیا کرے گا۔ محمد بن یحییٰ نیشاپوری کا مقولہ: ”لایعرف قدر الغزالی، من جاء بعد الغزالی“ اور صاحب طبقات شافعیہ تاج الدین سبکی نے اس پر اضافہ کیا ہے: ”إلا أن یکون مثل الغزالی أو فوق الغزالی“ اسی حکیمانہ مقولہ کی روشنی میں بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرتؒ کا ادراک نسبت و ادراک کمالات حقیقت نہ ہم جیسے عقیدت مندوں کا منصب ہے، نہ مریدین و تلامذہ کے دائرہ علم میں ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی نسبت کا حق تو حضرت قطب حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو یا حضرت قطب عصر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو پہنچتا ہے کہ وہ بیان فرماتے۔ مولانا شبلی مرحوم نے مولانا روم کے سوانح حیات میں جب ان کے باطنی کمالات و تصوف و معرفت پر لکھنے کا ارادہ کیا تو صاف اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ: ”میں اس کو چہ سے بالکل نابلد ہوں“ انبیاء کے حقائق و کمالات کا ادراک اولیاء نہیں کر سکتے، اولیاء کے مدارج کا انکشاف غیر اولیاء کو نہیں ہو سکتا۔ ہم کچھ بھی لکھیں، نہ حقیقت تک رسائی، نہ حق ادا ہونے کا امکان:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

قدرت نے حضرت علیہ الرحمۃ میں ایسے مختلف الانواع کمالات رکھے تھے اور ایسے اضداد جمع کیے تھے کہ حقیقت افسانہ معلوم ہوتی ہے، اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا، اب سے ٹھیک بیس برس قبل جامعہ ازہر قاہرہ کی طرف سے علماء ازہر کا ایک وفد ہندوستان کے علمی اداروں کے معائنہ اور علمی روابط پیدا کرنے آیا تھا۔ وفد کے رئیس الشیخ ابراہیم الجبالی تھے جو ممتاز عالم تھے

اور نہایت ذکی اور بے مثل خطیب تھے۔ شیخ جبالی اپنے رفقاء الاستاذ عبدالوہاب النجار اور الشیخ احمد العدوی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند بھی پہنچے، یہ وہ دور تھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دارالعلوم کے صدر تھے اور حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایک ماہ کی رخصت پر تھے اور ہندوستان کا دورہ کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں سیاسی معرکہ آرائی کا بازار گرم تھا۔ مسلم لیگ کا عروج شروع ہو گیا تھا اور مسلم لیگ کی مخالفت یا نہ موافقت کفر سے کم جرم نہ تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا عثمانی نے ان کے شایانِ شان استقبال کیا۔ حضرت مولانا مدنی کو بھی اپنا دورہ ملتوی کرنے کے لیے تار دیا کہ وہ تشریف لائیں، لیکن حضرت نے اپنے دورہ کو جاری رکھنا ضروری سمجھا۔ اور حاضری کے لیے معذرت پیش کی، اس وجہ سے شیخ جبالی مرحوم کی ملاقات حضرت علیہ الرحمۃ سے نہ ہو سکی۔ میں اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تھا اور اسی زمانہ میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے بمعیت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری ایک علمی خدمت کے سلسلہ میں مصر کا سفر پیش آیا، قاہرہ پہنچے تو شیخ جبالی سے ملاقات ہوئی، بے حد اکرام سے پیش آئے اور پُر تکلف دعوتِ طعام سے تواضع کی، ملاقات کے دوران میں نے چند مشاہیر کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی اور پھر حضرت مولانا مدنی کے بارے میں دریافت کیا کہ حضرت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ: میری ملاقات خود براہِ راست موصوف سے نہ ہو سکی، تاکہ میں خود کوئی رائے قائم کرتا، لیکن ان کے مخالفین اور ان کے معتقدین دونوں سے ایسے متضاد بیان سنے ہیں کہ ان بیانات کے پیش نظر یہ رائے قائم کی ہے:

”هُوَ إِمَامٌ مَلِكٌ وَإِمَامٌ شَيْطَانٌ“ پھر فرمایا کہ: تم فیصلہ کرو کہ دونوں میں کون سا فیصلہ صحیح ہے؟ میں نے عرض کیا: ”نعم هو ملك“ (جی ہاں وہ فرشتہ تھے) اس تنقید و تبصرہ کی حقیقت سمجھانے کے لیے مجھے امام حدیث ابو عمر ابن عبدالبر مالکی قرطبی کی ایک بات یاد آئی۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی نے

ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ، مالک، الشافعی کے مناقب و حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے: ”الانتفاء فی الأئمة الثلاثة الفقهاء“ فرماتے ہیں کہ: کسی انسان کے باکمال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے موافق و مخالف دونوں انتہاء تک پہنچیں، فرماتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہؒ کی مثال حضرت علیؓ جیسی ہے: ”هَلِكْ فِيهِ رَجُلَانِ مُحِبُّ مَقْرَطٍ وَمُبْغِضُ مَقْرَطٍ“ جن میں دونوں گروہ ہلاک ہوئے، یعنی حق سے بعید ہوئے محبت میں غلو کرنے والے (جیسے شیعہ) اور بغض میں انتہاء تک پہنچنے والے (جیسے خوارج) اس تاریخی حقیقت کے پیش نظر حضرت علیہ الرحمۃ کی جامعیت و کمالات کے پیش نظر یہ مختصر و بلیغ جملہ رہنمائی کرتا ہے، اس لیے میں جب حضرت علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی کا تصور کرتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ کیا لکھوں، نہ دماغ و ادراک کی اتنی بساط ہے، نہ قلم میں اتنا زور ہے، نہ فرصت میں اتنی گنجائش ہے، وہ کیا تھے، انسانیت کے زوال کے دور میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ تھے، وہ کیا تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی جو ہم سے چھن گئی، وہ علم و تقویٰ و اخلاق کے ایک پیکر تھے جن کی نظیر صدیوں میں پیدا ہوتی ہے، خانقاہ مدرسہ و سیاسی کمالات کے دو آبہ نہیں سہ آہ تھے، جن کی شانِ قرونِ متاخرہ میں دنیا کے کسی گوشے میں ڈھونڈنے میں بھی نہیں ملتی۔ حضرت مولانا محمد عزیز صاحب (عزیر گل) کو میں نے نامہ تعزیت لکھا تھا۔ رفقاء مالٹا سب سے زیادہ تعزیت کے مستحق تھے، موصوف نے جو جواب لکھا ہے اس کے چند کلمات نقل کرتا ہوں، جو اختصار کے ساتھ نہایت جامع و بلیغ ہیں، فرماتے ہیں:

”مرحوم کے اوصاف ذکر کر کے صبر کو متزلزل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے
کہ مرحوم کیا تھے، اُسی کے بنائے ہوئے تھے اور رحمت تھے، اب دیکھئے پس
ماندگان کے لیے کیا بندوبست ہوتا ہے، وہ قادر ہے سب کچھ کر سکتا ہے۔ دین
کے ہر شعبہ میں خلا واقع ہو گیا۔“

دارالعلوم دیوبند میں ایک مرتبہ طلبہ بستی والوں میں فساد کی صورت پیدا ہو گئی۔ طلبہ مظلوم تھے، اس لیے ان کو انتقام کی فکر تھی، جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ان پر قابو پانا طاقت سے باہر تھا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں اساتذہ و طلبہ کا ایک اجتماع ہوا، اس موقع پر حضرت نے ایک تقریر فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ حضرت صرف خطابت کی حیثیت سے ایسے ممتاز خطیب نہ تھے کہ صرف زور خطابت سے مجمع پر قابو پاتے، لیکن قدرت نے جو روحانی طاقت دی تھی ایسے موقع پر جو اس کا ظہور ہوا اور جس مؤثر انداز میں تقریر فرمائی، آج پندرہ سال بعد بھی اس کی آواز میری سامعہ میں گونج رہی ہے۔ موضوع تقریر یہ تھا کہ مظلوم بننا کتنا مفید ہے اور انتقام اگرچہ برحق ہو اس حق کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ کی کن رحمتوں کا ذریعہ بنتا ہے، میں نے دسیوں تقریریں حضرتؒ کی سنی تھیں، لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ مشکل ترین وقت میں جہاں لوگوں کے حوصلے ختم ہو چکے تھے، ایسی مؤثر ترین فرمائی، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آگ پر آسمان سے پانی برس رہا ہے۔ ایک گھنٹہ کی تقریر میں سارے مشتعل جذبات ایسے سرد پڑ گئے کہ گویا ایک شیطانی طلسم تھا، فرشتوں کے ظہور سے ایک آن میں ٹوٹ گیا، ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علیہ الرحمۃ کی تقریر کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ: ”بھائیو! اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں، میرے علم میں بسطِ ارض پر شریعت و طریقت و حقیقت کا حضرت مولانا مدنی سے بڑا کوئی عالم موجود نہیں“ غالباً الفاظ یہی تھے یا اس کے قریب۔ جب وقت کے بڑے محقق و اہل کمال حضرت علیہ الرحمۃ کو اپنی خصوصیات و کمالات میں آیۃ من آیات اللہ اور جتہ اللہ علی الخلق سمجھتے تھے۔ میری بساط ہی کیا ہے کہ کچھ کہا جاسکے۔ بہر حال اتنا کہہ سکتا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند کی مسندِ صدارت پر تقریباً ایک صدی سے جس قوی النبیۃ عارفین محدث جلوہ افروز تھے، حضرت مولانا علیہ الرحمۃ اس کی آخری شخصیت تھے۔ اکابرِ دیوبند کے قافلے کے آخری مسافر

تھے جو دنیا سے چل بسے۔ اِنَّا لِلّٰہ! حضرت کا وجود ہندوستان کے اہل علم اور اہل اسلام کے لیے عالم اسباب میں آخری سہارا تھا جو نہیں رہا۔ حضرت شاہ ولی اللہ اگر چلے گئے تو شاہ عبدالعزیز و شاہ رفیع الدین اور شاہ اسماعیل شہید جیسے خلف چھوڑ گئے۔ اگر حضرت مولانا قاسم صاحب گئے تو حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند جیسی ہستیاں جگہ پُر کرنے کے لیے زندہ تھے۔ حضرت شیخ الہند گئے تو حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت مولانا انور شاہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جیسے حضرات جانشین موجود تھے، لیکن آہ حضرت مدنی علیہ الرحمۃ ایسی حالت میں اُمت کو چھوڑ گئے کہ ان کے کمالات میں کسی ایک کمال میں ان کا کسی درجہ میں جانشین نظر نہیں آتا۔ یہی وہ چیز ہے جو امت اسلامیہ کے لیے صبر آزمائے حالت ہے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو حجاج نے جب شہید کیا تھا تو خواب میں حجاج کو کسی نے دیکھا تھا، کہا کہ ہر شہید کے قتل کے عوض مجھے ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا، لیکن سعید بن جبیر کے قتل پر مجھے ستر مرتبہ قتل کیا گیا۔ امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے سوال کیا کہ حجاج نے تو صحابہؓ کو بھی قتل کیا تھا اور سعید بن جبیرؓ کو تابعی تھے؟ یعنی اس فضیلت کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ: حجاج نے سعید بن جبیر کو ایسے زمانہ میں قتل کیا کہ روئے زمین پر ایسا کوئی نہ تھا جو سعید بن جبیرؓ کے علم کا محتاج نہ ہو۔ درحقیقت ہندوستان کے مسلمان اور اہل علم خانقاہ و مدرسہ والے آج یتیم ہو گئے، فَاِنَّا لِلّٰہ وَاِنَا اِلَیْہِ رَاٰجِعُوْنَ، اللّٰہم اغفر لہ، اللّٰہم ارحمہ، اللّٰہم ارفع درجاتہ، آمین!

ہندوستان میں خطابت کے ائمہ اربعہ اور

امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

ہندوستان کی اس سرزمین میں ایک ہی عصر میں ایسے چار خطیب جمع ہو گئے تھے جن میں سے ایک کی بھی نظیر عالم اسلام میں نہیں تھی اور ظاہر ہے کہ جب عالم اسلام میں نظیر نہ تھی تو غیر اسلامی دنیا میں کہاں سے نظیر ملے گی؟ جو ہر خطابت جس انشراح صدر کا محتاج ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ حصہ غیر مسلموں کو نصیب ہی نہیں فرمایا۔ مسلمان کے سینہ میں جو فیضانِ الہی ہوتا ہے کافر کے سینہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ مسلمان کا دل و دماغ جس جذبے سے سرشار ہوتا ہے کافر اس نعمت سے محروم ہے۔ مسلمان کے دل میں عواطف و جذبات کا جو سمندر متلاطم ہوتا ہے غیر اسلامی دل اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسلامی روح جس منبعِ قدس سے سیرابی حاصل کرتی ہے کافر کی روح کی تشنہ لبی کو اس سے کیا نسبت!

پہلے خطیب مولانا ابوالکلام آزادؒ، دوسرے خطیب مولانا احمد سعید دہلویؒ، تیسرے خطیب مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور چوتھے خطیب مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے۔ میرے خیال میں یہ ایک عصر کی خطابت کے ائمہ اربعہ تھے۔ ایک دفعہ ضلع سورت کے ایک گاؤں میں حضرت مولانا العارف حسین احمد کے ساتھ رفاقت کی سعادت نصیب ہوئی، تنہائی میں اس موضوع کا ذکر

آگیا، اتفاق کی بات ہے جو میرا خیال تھا حضرت رحمہ اللہ نے بعینہ اسی طرح فرمایا، بہر حال مجھے اپنی اصابتِ رائے پر خوشی ہوئی، پھر فرمایا کہ اب مولانا حفظ الرحمن صاحب بھی قریب قریب ان کے ہو رہے ہیں، اب میں مزید اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا قاری طیب صاحب بھی اس صف کے قریب آرہے ہیں۔ میرے ذہن میں ان چاروں خطیبوں کی خطابت کی خصوصیات ہیں جو نہایت دلچسپ ہیں اور دقیق بھی ہیں، افسوس کہ اس وقت ان کی تفصیلات کی نہ ہمت ہے نہ وقت، لطف تو اس وقت آتا کہ پورا موازنہ و مقارنہ واقعات ہو سکتا۔ اب تو چند نامعلوم اشارے شاہ جیؒ سے متعلق عرض کرتا ہوں۔

خطابت اور خصوصاً عوام کو مسحور کرنے کا جہاں تک تعلق ہے، اس موضوع کی جتنی صلاحیتیں ہو سکتی ہیں قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ حضرت شاہ جیؒ کو عطا فرمائی تھیں۔ قدو قامت، شکل و صورت، قوت و طاقت، شجاعت و جرأت، فراست و تدبیر، غیرت و حمیت، ذکات و شدتِ احساس، رقتِ عواطف و جذبات کا تلاطم، بلندیِ آواز و خوش گلوئی، قرآن کریم کے ساتھ قلبی تعلق اور استحضار، منتخب ترین فارسی، اردو اشعار و ہر موضوع پر عمدہ ذخیرہ کا استحضار، دردناک اور فلک شگاف آواز کے ساتھ قرآن کریم کا پڑھنا، مخالفین کے مجمع پر قبضہ کرنا، عالم و جاہل، مرد و عورت، مخالف و موافق، سب کا یکساں طور پر متاثر ہونا، یہ ان کی وہ خصوصیات ہیں کہ ان میں کوئی ہمسری نہیں کر سکتا۔

مجمع کو زلانا، تڑپانا، ہنسانا ان کی خطابت کا ادنیٰ کرشمہ تھا، مجمع سے اپنی بات منوانا، نناوے فیصد مخالفوں کو اپنا ہم خیال بنانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بعض اوقات تو بولنے سے پہلے ساحرانہ نگاہ ہی سے مجمع کو مسخر کر لیتے تھے۔ نگاہ کیاتھی غضب کی نگاہ تھی، آواز تھی یا بجلی کووندنی تھی۔ اتنا کامیاب ترین خطیب کسی نے سنا ہوگا نہ دیکھا ہوگا۔ عقلی و فکری خصوصیات کی کامیاب

ترین تمثیل اور اپنے موضوع و اطوار سے وہ نقشہ کھینچتے تھے کہ دنیا کا کوئی خطیب ان کی نقالی نہیں کر سکتا تھا۔ ہندوستان کی سر زمین میں یہ وہ واحد خطیب تھے جس نے اپنی خداداد سحرانہ قوت خطابت سے دنیا و سیاست کی وہ خدمت کی جو ایک پوری قوم نہیں کر سکتی۔ تنہا ان کی شخصیت نے وہ کام کیا جو ایک صدی میں ایک ادارے کو کرنا چاہیے تھا۔ یہ شخص کسی اور قوم میں ہوتا تو نہ معلوم اس کی کیا یادگاریں قائم ہوتیں، لیکن مسلمان قوم اپنی زندگی ختم کر چکی ہے۔ اس ختم شدہ دور میں یہ حیرت انگیز خطیب آئے، ورنہ تاریخ کے کسی بہترین دور میں پیدا ہوتے تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیر شریعت علیہ السلام کی نظر میں

قدرت نے فوق العادت زبان کی شیرینی، بیان کی روانی اور فوق العادت مؤثر تعبیر کی قوت عطا فرمائی، بعض اوقات ایک جملہ میں پوری پوری داستان ختم کر دیتے تھے، ایک دفعہ جامع ڈابھیل تشریف لائے، اساتذہ جامعہ مروتی اسٹیشن پر استقبال کے لیے گئے، لاری میں آرہے تھے، میں نے کہا: شاہ جی! آج تو حضرت شیخ پر ایک تقریر کر دیجئے (یعنی حضرت مولانا انور شاہ صاحب پر) فوراً فرمایا: ”بھائی یوسف! کیا کہوں! صحابہ کا قافلہ جارہا تھا، انور شاہ صاحب پیچھے رہ گئے۔“ بے اختیار میں نے کہا: ”حسبک اللہ یا عطاء اللہ!“ اور رفقاء نے جملہ نہیں سنا تھا، جب سنایا سب ٹپ گئے۔

غیر مسلموں کو تبلیغ اسلام

ایک دفعہ تو ساری ضلع سورت میں سکھوں اور ہندوؤں کی ایک دعوت پر ایک تقریر منظور فرمائی۔ ایک تھیٹر ہال کا انتخاب ہوا، جامع ڈابھیل کے اساتذہ اور طلبہ بھی شریک تھے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی تشریف رکھتے تھے، اس تقریر کی تاثیر و حلاوت، فوق العادت خطابت کا کمال آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے، اس کی شیرینی کام و دہن میں ہے، ہندوؤں اور سکھوں سے ”اللہ اکبر“ کے نعرے بلند کروائے تھے۔ سلام کی حقانیت، اللہ کی عظمت اور توحید، گوشت خوری کے منافع، بت پرستی کی قباحت پر حیرت انگیز بیان تھا۔ حضرت شبیر احمد عثمانیؒ زار و قطار رو رہے تھے۔ میں نے بھی ان کو اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا۔

تقریر کے بعد میں نے سنا، فرماتے تھے: میں نے بیسیوں تقریریں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی سنی ہیں، لیکن اتنی مؤثر تقریر آج تک نہیں سنی اور فرمایا کہ: آج عطاء اللہ شاہ نے حق تبلیغ ادا کر دیا ہے، اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم، متکلم، خطیب کی یہ داد کتنی قیمتی ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا نور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

امام العصر حضرت مولانا نور شاہ صاحبؒ کو آپ سے بے انتہا محبت تھی اور دعا کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسا خطیب کبھی نہیں دیکھا جو روتوں کو ہنساتا ہے اور ہنستوں کو رلاتا ہے اور فرماتے تھے کہ: مرزا غلام قادیانی کے خلاف ان کی ایک تقریر وہ کام کرتی ہے جو ہماری پوری تصنیف نہیں کر سکتی۔ کسی مجلس میں انہیں دیکھتے تو باوجود اس کے متانت و وقار کا پہاڑ تھا، محظوظ ہوتے جس کی انتہا نہیں۔

لاہور کا تاریخی اجلاس جس میں آپ امیر شریعت بنائے گئے

مئی ۱۹۳۰ء کا جو تاریخی اجلاس ”انجمن خدام الدین لاہور“ کا ہوا تھا، جس کا سماں آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے، اس وقت امام شیخؒ کا اسم گرامی مولانا ظفر علی خاں نے امارت کے لیے پیش کیا۔ حضرت شیخؒ نے کھڑے ہو کر تقریر فرمائی اور اپنی کمزوری کی وجہ سے معذرت پیش کی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی امارت کی نہ صرف تجویز کی بلکہ امیر بنا کر فرمایا:

میں بھی اس مقصد کے لیے ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، آپ حضرات بھی ان سے بیعت کریں اور اپنے دونوں ہاتھ مبارک سید بخاری کے ہاتھ میں دے دیئے۔

وہ منظر بھی عجیب تھا کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ رو رہے تھے اور کہتے ہیں کہ خدا کے لیے مجھے معاف فرمائیں، میں اس کا اہل نہیں اور حضرت شیخ اصرار فرما رہے ہیں۔ اس وقت سب سے پہلے مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ نے پہلی بیعت فرمائی، پھر مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے بیعت کی، راقم الحروف بھی اسی مجمع میں شریک تھا اور غالباً تیسرا نمبر بیعت کرنے والوں میں میرا تھا، اس وقت شاہ جیؒ ”امیر شریعت“ بنائے گئے اور ان کی شخصیت میں مقبولیت اور جاذبیت کا دور شروع ہوا، جو اس سے پہلے کبھی نہ تھا اور اس کے بعد اخلاص کے ساتھ خدمت کی توفیق ان کو ملی، وہ ان کی زندگی کا تاریخی دور ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی یہ عام مقبولیت اور مجاہدانہ سرگرمیاں، منصفانہ خدمات اور حیرت انگیز تاثیر اور بے پناہ محبوبیت حضرت مولانا انور شاہؒ کی کرامت تھی۔ اپنے ہاتھ مبارک جو ان کے ہاتھوں میں رکھ دیئے تھے اس کی وجہ تھی اور حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ جو قادیانی فرقہ سے بغض و عناد تھا اس نے عطاء اللہ کی صورت اختیار کر لی تھی۔

دراصل شاہ جیؒ کا وجود حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی کرامت تھا، جس کی وجہ سے علماء، صلحاء، عرفاء و اتقیاء، وقت کے بڑے بڑے اہل فضل و کمال مولانا عطاء اللہ کے جاں نثار، محب، والہانہ معتقد بن گئے تھے: ”ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ“

(بشکریہ ماہنامہ نقیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر ص: ۳۳۲-۳۳۰)

مولانا مفتی محمد صادق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ

① افسوس کہ اس ماہ میں پاکستان کے ایک جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب طویل علالت کے بعد اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ہیں: **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ**.

مرحوم اس دور کے ممتاز علماء کرام میں سے تھے، جامعیت، متانت، سنجیدگی، وقار، کرم نفس، تواضع اور حلم میں ممتاز تھے، ریاست بہاولپور کے مفتی بھی رہے، علماء کرام کے حالات ووفیات کا خاص ذوق تھا، جو علماء سرزمین بہاولپور میں پیدا ہوئے یا باہر سے بہاولپور میں کبھی آئے ان سب کے حالاتِ زندگی کو مرتب فرمایا تھا، فقہ اور علوم دینیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کے بھی ماہر تھے اور ان علمی کمالات کے ساتھ نہایت تجربہ کار تھے، انتظامی معاملات اور علوم اسلامیہ کے اداروں کے نظم و نسق اور مدارس کے قواعد و ضوابط میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے غالی معتقد تھے اور مقدمہ بہاولپور کے تاریخی مقدمہ کے دوران حضرت امام العصر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سترہ روزہ قیام بھاولپور میں لیل و نہار ساتھ رہے اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات و خوارق و حالات نہایت والہانہ انداز سے بیان کرتے تھے اور بسا اوقات خود بھی روتے تھے اور سننے والوں کو بھی رلاتے تھے۔

ایک دفعہ ملتان سے بہاولپور ٹرین میں رفاقت نصیب ہوئی، اس عجیب و پر کیف انداز

سے احوال سنائے کہ مجھ پر اتنی رقت طاری ہوئی جس کا کیف آج تک بھولا نہیں، افسوس کہ اکابر اٹھتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ پُر ہونے کی کوئی توقع نہیں۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ اَرْحَمْهُ وَاَرْضْهُ وَاَعْفُ عَنْهُ وَاَجْعَلْ الْجَنَّةَ مَتَقَلْبِهِ
وَمَثْوَاهُ.

مولانا سید اظہار الحق سہیل عباسی امروہی رحمۃ اللہ علیہ

⑤ نیز اس ماہ میں مولانا سید اظہار الحق سہیل عباسی امروہی کا بھی انتقال ہوا، مرحوم فاضل دیوبند تھے، حضرت امام مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ ادبی ذوق پر ممتاز تھے، عربی و فارسی کے شاعر بھی تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور زلات معاف فرمائے۔



الحاج خواجہ ناظم الدین رحمۃ اللہ علیہ

⑤ ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۴ء چھ بجے شام الحاج خواجہ ناظم الدین مرحوم بھی اس دنیا سے رحلت کر گئے، اگرچہ خواجہ صاحب مرحوم ان طبقہ علیا کے سیاست دانوں اور حکمرانوں میں سے تھے جن کی پوری زندگی اقتدار اعلیٰ کے عروج و زوال کی کشمکش میں گزری ہے مگر ہمارے لئے ان کی زندگی میں کشش اور ان کی وفات پر تاسف کا موجب صرف یہ ہے کہ وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند اور عامۃ المسلمین کے دوش بدوش نماز جمعہ ادا کرنے کے عادی تھے، ویسے بھی راسخ العقیدہ اور علماء دین سے عقیدت رکھنے والے مسلمان تھے۔ اس حلقہ میں اتنی دینداری بھی مغتنم ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ - نومبر ۱۹۶۴ء]



مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذي لا باقى إلا وجهه ولا دائم إلا ملكه والصلوة والسلام على
حبيبه الذي أخلص لله وجهه وعلى آله وصحبه الذين لا يريدون إلا رضاه و
وجهه.

یوم جمعہ ۳ رجب ۱۳۸۵ھ - ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو مہاجر مدنی حضرت مولانا بدر عالم
میرٹھی مدینہ طیبہ میں واصلِ بخت ہوئے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون اللهم اغفر له وارحمه واكرم نذله ووسع مدخله
وارزقه دارا خيرا من داره وجارا خيرا من جاره، آمین یارب العلمین.

مولانا بدر عالم صاحب دور حاضر کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی بدولت علم و
دین کی ساکھ قائم ہے، جن سے مدرسے آباد ہیں، ممبر بارونق ہیں، موصوف قابل مدرس، فاضل
مقرر، کامیاب و مقبول مصنف تھے، اردو، عربی کے ادیب و شاعر تھے، موثر اسلوب، شگفتہ طرز ادا
کے مالک تھے، عام گفتگو میں بھی الفاظ کیا ہوتے موتی کی پروئی ہوئی لڑیاں ہوتی تھیں، جوان کی
نوک زبان سے بکھرتی تھیں، مؤثر تعبیر، دل نشین طرز ادا ان کی خصوصیت تھی، صدق و صفا کے
مجسمہ تھے، ورع و تقویٰ اور استغنا کے پیکر تھے، نصیحت و خیر خواہی اور حق گوئی میں ممتاز تھے،
نہایت زیرک و مدبر تھے اور سب سے بالاتر یہ کہ آخری لمحات حیات میں مرشد کامل تھے، پاک
و ہند اور جنوبی و مشرقی افریقہ کے سینکڑوں بندگان خدا ان کی تربیت و تزکیہ اور بیعت و ارشاد سے

فیض یاب ہوئے اور شریعت کی پابندی واستقامت ان کو نصیب ہوئی، ذکی عالم تھے، صاحب فراست بزرگ تھے، مدینہ طیبہ کی سیزدہ سالہ بابرکت زندگی ان کی سرشت وطبیعت میں بہت کارگر اور مؤثر ثابت ہوئی، مدینہ کے انوار وبرکات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، ان کے فطری جوہر کھلے، کرم گستری، مہمان نوازی، مروت وجوان مردی اور اپنے مخلصین سے مخلصانہ ادائیں وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز جوہر تھے جو نمودار ہوئے۔

ابتدائی دور طالب علمی میں مظاہر العلوم سہارنپور کی برکات سے بہرہ اندوز ہوئے اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ متوفی ۱۳۲۳ھ کے ارشد خلفاء عارف باللہ فقیہ محدث اور صوفی باصفا حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری مدنی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۶ھ کے مرکز توجہات والطف رہے اور ان کے آغوش شفقت میں تربیت نصیب ہوئی، درمیانی عمر میں آیۃ من آیات اللہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی متوفی ۱۳۵۲ھ کے آغوش تربیت میں پہنچے، دیوبند میں ان کے فیض اور انوار علوم و معارف سے مستفیض ہوئے اور حضرت عارف باللہ مفتی مولانا عزیز الرحمن قدس سرہ نقشبندی المتوفی ۱۳۴۷ھ سے شرف بیعت کی سعادت نصیب ہوئی، عرصہ دراز تک ان کے انفاس قدسیہ اور صحبت مقدسہ کی برکات سے مالا مال ہوتے رہے، انتہائی استقامت واستقلال کے ساتھ اذکار و اشغال نقشبندیہ کی مداومت نصیب ہوئی، بالآخر حضرت مفتی صاحب کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۴ھ نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا، الغرض اس طرح علمی وعرفانی سرچشموں سے کما حقہ سیرابی کا موقع نصیب ہوا اور اپنے عہد کے ممتاز ترین اکابر کے فیوض سے پورے طور پر فیض یاب اور ان کی ظاہری وباطنی برکات کی سعادت سے ہمکنار ہوئے۔

حیات طیبہ کے آخری لمحات وانفاس میں سید الانبیاء رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس میں قیام کی تمنا پوری ہوگئی، چنانچہ ۱۳۷۲ھ میں مدینہ طیبہ ہجرت کی، خاک پاک مدینہ

نے اور حبیب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس نے طبیعت میں خاص استقامت کی سعادت بخشی اور چار سالہ طویل علالت کے زمانہ میں صبر و شکر کے وہ قابل رشک مظاہر و آثار ظہور میں آئے کہ عقل حیران ہے، ”فیض الباری شرح بخاری“ چار ضخیم جلدوں میں (جو حضرت شیخ امام العصر کی تقاریر درس صحیح بخاری کا مجموعہ ہے) عربی اور ”ترجمان السنۃ“ اردو میں خدمت حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو بے نظیر شاہکار ہیں جو رہتی دنیا تک ان کی زندہ یادگار اور اہل علم و دین کے طبقہ میں منع فیض بنے رہیں گے، ان شاء اللہ العزیز، ”جواہر الحکم“ کے نام سے احادیث نبویہ۔ علی صاحبہا ازکی التحیات واسنی التسلیمات۔ کا ایک مجموعہ جو عصر حاضر کی عوامی اصلاحی خدمت کے طور پر انتہائی دل نشین نشریات کے ساتھ تالیف فرمایا ہے، تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے، یہ ان کی آخری تصنیف ہے اور ان کے شرح صدر کا عمدہ نمونہ ہے۔

مظاہر العلوم سہارن پور سے فراغت تحصیل علوم کے بعد دیوبند پہنچے اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمذ کی سعادت کے ساتھ ہی دارالعلوم دیوبند میں منصب تبلیغ و تدریس پر فائز ہوئے اور اسی زمانہ میں تبلیغ اور تقریر خصوصاً ردِ قادیانیت میں اچھی شہرت حاصل کی اور نہایت کامیاب اور مقبول مقرر ثابت ہوئے، ۱۳۴۶ھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے قافلہ کے اہم رفیق بنے اور حدیث کے اساتذہ میں تقرر ہوا، اسی دور میں دیوبند کے ”مہاجر اخبار“ کے قابل ترین مضمون نگار رہے، ڈابھیل کے بعد بہاول پور و بہاول نگر آپ کا مرکز فیض رہا اور آخر میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار (سندھ) میں استاذ حدیث و نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے، عرصہ سے مدینہ منورہ۔ زادھا اللہ نوراً۔ کی سکونت کی آرزو دل میں موجزن تھی اور نہایت ہی والہانہ انداز میں مدینہ کی ہجرت کا سودا دماغ میں سما یا ہوا تھا، چنانچہ ”البدور الساری تعلیقات فیض الباری“ میں انتہائی والہانہ اور رقت انگیز انداز میں اس آرزو کا اظہار کیا جو رب العرش العظیم کی بارگاہ سے شرف قبولیت کے ساتھ سرفراز

ہوئی اور نالہ ہائے سحری رنگ لائے اور جوار حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنائے تصور سے بالاتر طریقے پر واقعہ کی صورت اختیار کر لی، عبادت و استقامت، ادب و سکون، ذکر و فکر کے ساتھ مسجد نبوی کی حاضری نصیب ہوتی رہی، یہاں تک کہ علالت نے صاحب فراش بنادیا، پورے چار سال صاحب فراش رہے، اس دور میں صبر و شکر و رضا بالقضا کے جو منازل طے کئے اور جو نعمتیں ان کو نصیب ہوئیں، قابلِ صدر رشک ہیں ۔

ایں سعادت بزورِ باز و نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ماہِ رجب المرجب کے مقدس مہینہ اور جمعہ کے مبارک دن میں حبیب رب العالمین کے جوار میں جنت البقیع کی خاک مقدس میں جس کا ایک ایک ذرہ آفتابِ عالمتاب سے زیادہ بانور ہے، اس خادمِ علم دین، اس باغیرت و باحمیت شخصیت نے اپنی جان کو جانِ آفرین کے سپرد کیا: ان لله ما اخذ وله ما اعطى وكل شيء عنده الى أجل مُسمى۔
الغرض ذوق و وجدان، بصیرت و عرفان، علم و عمل، ورع و تقویٰ کا یہ پیکرِ نورِ تقریر و تحریر کے کمال کا حامل اور ظرافت و شگفتگی کا مظہر اپنی باوقار شخصیت کے ساتھ اپنے احباب و اقرباء و مخلصین سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خادمِ علم و دین کو اپنی بیکراں رحمت سے نوازے اور جنت الفردوس میں رضوانِ الہی سے سرفراز فرمائے۔

رحمہ اللہ رحمۃ الأبرار الصالحین والأخبار المقربین وصلى الله على
خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين۔

فرصت ملی تو چند صفحات پر ان شاء اللہ حق صحبت و حق رفاقت اور حق احسان ادا کرنے کے لئے کچھ خامہ فرسائی کا ارادہ ہے، واللہ الموفق والمعین۔

[رجب ۱۳۸۵ھ - نومبر ۱۹۶۵ء]

مولانا عبدالرحمن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَهُ الْبَقَاءُ وَالِدَوَامُ، فَقَالَ تَعَالَى: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى
وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ هَدَانَا سَبِيلَ
السَّلَامِ وَعَلَّمَنَا الرِّضَاءَ بِالْقَضَاءِ وَالْإِنْقِيَادَ لِقُدْرِهِ وَالْإِسْتِسْلَامَ، وَعَلَى آلِهِ
وَصَحْبِهِ الَّذِينَ فَازُوا بِالرِّضْوَانِ فِي دَارِ السَّلَامِ.

سہ شنبہ، ۲۷ شعبان ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۶۵ء کی شام کو غروب آفتاب سے
کچھ پہلے مغربی پاکستان کا آفتاب علم غروب ہوا، حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری کا وصال
ہو گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، رَحِمَهُ اللّٰهُ وَرَضَى عَنْهُ وَارْضَاهُ وَجَعَلَ الْجَنَّةَ جَنَّةَ
الْفَرْدُوسِ مُتَقَلِّبَةً وَمَثْوَاهُ.

کل نفس ذائقة الموت اور کل من علیہا فان سنت الہیہ اور ابدی قانون ہے،
تسلیم و انقیاد اور رضا بالقضاء کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

”ان للہ ما اخذ وله ما اعطی وکل شیء عنده إلى أجل مسمیٰ.“

ترجمہ:- بلاشبہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے عطا
فرمایا اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک مقررہ مدت تک کے لئے ہے۔

کسی کو نہ مجال انکار ہے، نہ مقام چون و چرا۔ حضرت مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ کی وفات دنیائے علم و اخلاق کا ایک بڑا حادثہ ہے اور ایسے اکابر علماء کی رحلت امارات ساعت (علامات قیامت) میں سے ہے، مولانا مرحوم علوم اسلامیہ دینیہ اور نقلی و عقلی فنون علم کے جامع ترین عالم تھے، اصناف علم و فضل و کمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں، وہ عالم و عارف تھے، صوفی و محقق اور فقیہ و محدث تھے، علم اصول و کلام کے ایک ماہر اصولی اور فاضل متکلم تھے، غرض علمی دنیا کے آفتاب و ماہتاب تھے، کوہ و قار و تمکنت، پیکر حلم و رزانت، مجسم نمول و تواضع اور صلاح و تقویٰ میں یگانہ روزگار تھے، فطری ملکات میں ان کو ایک نمایاں امتیاز حاصل تھا، ریاضت و مجاہدہ کے بغیر طبعی طور پر مرتاض تھے، اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو وہی اور فطری اخلاق و ملکات کے وہ مقامات عالیہ عطا فرمائے تھے کہ ریاضت و مجاہدات کے بعد بھی ان کا حاصل ہونا قابل فخر اور وجہ شرف ہے، اس علم و فضل اور شرف و کمال کے ساتھ انکسار و تواضع، خاموشی اور کم گوئی ان کی ایک فطری کرامت تھی، ایسی جامع کمالات شخصیت اور مجمع فضائل ہستی کی وفات سے پاکستان کے دینی اور علمی حلقوں میں جو زبردست خلا پیدا ہوا ہے افسوس کہ اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں ہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے غالباً ۱۳۳۲ھ میں مظاہر العلوم سہارن پور سے تحصیل علوم و فنون سے فراغت حاصل کی اور حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ سے حدیث میں فیض حاصل کیا، ان کے علاوہ دوسرے اکابر علماء مظاہر العلوم سے فیض یاب ہوئے، ۱۳۳۳ء میں دارالعلوم دیوبند پہنچے اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے دوبارہ دورہ حدیث پڑھا، اسی طرح دیوبند اور سہارن پور کے دو آجہ علم و دین سے سیراب و سرشار ہوئے۔

حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ اور سہارن پور کے اکابر علم کی نظر انتخاب نے موصوف کو مظاہر العلوم کی خدمت تدریس کے لئے منتخب فرمایا، علوم دینیہ اسلامیہ کی اس اہم درس گاہ میں

آپ شروع میں مدرس اور اس کے بعد ایک عرصہ دراز تک صدر مدرس کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے رہے، آپ کے ان فطری کمالات اور وہی خصوصیات ہی کی وجہ تھی کہ مظاہر العلوم کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ترقی کر کے اسی علمی مرکز میں آپ شیخ الکل بن گئے اور اس طرح ایک سوئی اور خاموشی کے ساتھ شب و روز تدریس علوم کی خدمت میں مصروف رہے کہ پھر اس پیکر زہد و قناعت و ورع و تقویٰ نے کسی دنیاوی مقصد کے لئے کہیں کا رخ نہیں کیا اور جب تک پاکستان کی مملکت خدا و اظہور میں نہیں آئی، آپ مظاہر العلوم ہی میں قیام پذیر رہے۔

پاکستان بننے کے بعد اپنے مادر علمی مظاہر العلوم سہارن پور کو بادلِ نخواستہ خیر باد کہا اور ملتان کے شہرہ آفاق دینی و مرکزی درس گاہ خیر المدارس میں صدر مدرس ہوئے اور دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہار (سندھ) کے قیام کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی سعی اور حسن تدبیر سے شیخ الحدیث دارالعلوم کے منصب کو آپ نے قبول فرمالیا اور کچھ عرصہ اس مرکز میں درس حدیث کی خدمات انجام دیں، اس کے بعد دارالعلوم اسلامیہ کی خدمت سے مستعفی ہو کر اپنے وطن بہودی ضلع کیمبل پور میں قیام فرمایا، کچھ عرصہ بعد جناب محترم مولانا سید بادشاہ گل صاحب کے اصرار سے مجبور ہو کر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں منصب صدارت قبول فرمایا اور چند سال علم کی خدمت انجام دی، آخر طبعی ضعف اور نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے اس خدمت سے بھی مستعفی ہوئے اور مستقل طور پر وطن میں قیام پذیر ہو گئے اور نہایت خاموشی کے ساتھ طالبین روحانیت کی تہذیب نفس اور اخلاقی اصلاح کی خدمت انجام دیتے رہے، مشتاقان دین اور طالبان فیض اسی طرح خاموشی کے ساتھ فیض یاب ہوتے رہے۔

حضرت مولانا مرحوم کے وہی کمالات اور فطری محاسن کی وضاحت کے لئے اس واقعہ کا ذکر کافی ہے کہ جس زمانے میں آپ مظاہر العلوم سہارن پور میں صدارت تدریس کے منصب

پرفائز تھے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے موصوف کو بیعت و ارشاد کا اہل سمجھ کر از خود مجاز بیعت بنایا، حضرت کامل پوری نے معذرت پیش کی کہ:

”حضرت! میں نے تو اب تک بیعت بھی نہیں کی تو خلافت کا کیا استحقاق ہے؟“

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

”میرے نزدیک اہلیت شرط ہے بیعت شرط نہیں۔“

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمن مرحوم نے درخواست کی کہ اچھا اب مجھے بیعت بھی فرمالیجئے، یہ واقعہ شاید پہلی ہی نظیر ہے کہ کسی بزرگ نے بیعت سے پہلے ہی کسی بزرگ کو خلافت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہوا اور اجازت و خلافت کے بعد پھر بیعت کر کے سلوک طے کرایا ہو۔

یہ واقعہ ایک حکیم امت اور شیخ کامل کی طرف سے مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ کے فطری محاسن اور وہی فضائل کا اعتراف ہے، درحقیقت یہ ان کی فطری صلاحیت اور طبعی اہلیت ہی تھی جس کی وجہ سے ان میں ریاضت و مجاہدہ و اصلاح کے بغیر مشیخت کے اوصاف مجتمع ہو گئے تھے، وہ از خود اور وہی طور پر شیخ وقت تھے۔

ان معنوی فضائل و محاسن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن و جمال کی نعمتوں سے بھی بہرہ مند فرمایا تھا، اپنی قامت رعنا، نازک اور تراشیدہ نقوش، روئے منور اور لطافت و نفاذت کے ساتھ وہ جمال و کمال کا ایک پیکر نور محسوس ہوتے تھے۔

راقم الحروف کو دارالعلوم اسلامیہ میں ان کی صحبت و رفاقت کا شرف حاصل رہا اور مرحوم کے قریب سے قریب تر مطالعہ کا موقع نصیب ہوا، لیکن ان کے فطری کمالات و فضائل کی وجہ سے ان کے ساتھ میری گرویدگی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

افسوس کہ ایسے نازک دور میں جب کہ امت کو علم و دین کے ایسے اکابر کی سرپرستی کی بے حد ضرورت تھی، اس نعمت کا چھن جانا بڑا خسارہ، ایک بڑی مصیبت اور عظیم حادثہ ہے!

فما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنیان قوم تھدما

ترجمہ:- ”قیس ایسا نہیں تھا کہ اس کا ہلاک ہونا کسی ایک شخص کی ہلاکت ہو، لیکن

اس کا ہلاک ہونا تو ایسا ہوا جیسے ایک قوم کی بنیاد منہدم ہو گئی ہے۔“

دعا ہے کہ اس پیکرِ صدق و صفا، سراپائے وقار و تمکنت، مجسمہ ورع و تقویٰ، مخزنِ علم و عمل، جامعِ کمالات بزرگ کی روح پاکیزہ ابرِ رحمت کے فیضِ قدسی سے ہمیشہ سرشار اور شاداب رہے اور ان کی قبر مبارک آفتابِ کرم کی ضوفشانی سے ہمیشہ بقعہ نور بنی رہے اور ان کا نورانی چہرہ سراپا نور ہو۔

اللهم اغفر له وارحمه وارضه وارض عنه واحشره مع الأبرار والمقربين
وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وبارک وسلم۔

[رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ]



مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۶ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۹۶۶ء شب جمعہ بوقت سحر حضرت مولانا

محمد شفیع صاحب سرگودھوی کی روح مبارک پرواز کر گئی:

إنا لله وإنا إليه راجعون، ان الله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيء عنده إلى أجل مسمى.

موصوف اس عہد کے ممتاز عالم، مشہور مفتی، مقرر، واعظ و خطیب اور صاحب جرأت و صاحب نسبت و صاحب فراست بزرگ تھے، وہ بیک وقت خانقاہ، درس گاہ، منبر و دارالافتاء کی زینت تھے، وہ جمعیت العلماء (سرگودھا) کے صدر اور جمعیت وفاق المدارس کے نائب صدر اور دینی درس گاہ سراج العلوم سرگودھا کے بانی و صدر مدرس تھے، نہایت سنجیدہ باوقار و ذکی عالم تھے، ملکی سیاست سے بھی وافر حصہ رکھتے تھے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شرف تلمذ کے بعد امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ ہندوستان و پاکستان کی سر زمین میں وہ ممتاز حافظ قرآن تھے جنہوں نے صرف ۳۷ دن میں قرآن کریم کو حفظ کر لیا تھا، امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اس جودت حفظ و قوت حافظہ پر حیرت ہوئی تھی، مرحوم نہایت خوش لباس اور خوش خوراک تھے، لباس فاخر کے شائق تھے، نہایت نفاست پسند تھے، نہایت متانت سے گفتگو فرمایا کرتے

تھے، اس قطب الرجال کے دور میں ایسی جلیل القدر ہستی کی موت امت کے لئے عظیم سانحہ ہے، افسوس کہ علم و معرفت کے خم خانے خالی ہوتے چلے جا رہے ہیں اور آئندہ کوئی توقع نہیں کہ ان ہستیوں کی جگہ پُر ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس روح پاک کو اپنی رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائیں اور جنت الفردوس نصیب فرمائیں اور ان کے صاحبزادگان کرام خصوصاً مولانا حافظ احمد سعید صاحب اور مولانا قاری عبدالسمیع کو اپنے والد بزرگوار کا صحیح جانشین بنائے اور ان کی برکات سے ان سب کو امالاً مال کرے، آمین۔

موت التقى حياة لا انقطاع لها
کم مات قوم و هم فى الناس احياء
اللهم اغفر له وارحمه و اكرم نذله واحشره مع الأبرار الصالحين والعلماء
الربانيين بفضلك وكرمك يارب العلمين.

[ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ - اگست ۱۹۶۶ء]



مولانا عبدالرحمن ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ مطابق ۳۰/ اگست ۱۹۶۶ء سہ شنبہ ۴/ بجے شام مولانا عبدالرحمن صاحب ہزاروی طویل علالت کے بعد اس عالم فانی سے رحلت فرما گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

مرحوم دارالعلوم دیوبند کے علمی دور کے ممتاز فارغ التحصیل علماء میں سے تھے، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا، طالب علمی کے دور سے ہی تقریر و خطابت سے بہت گہری دلچسپی رکھتے تھے، فراغت کے بعد لاہور پہنچے اور حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کیا اور آسٹریلین بلڈنگ کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے اور اسی زمانہ میں آپ کی خطابت کے جوہر کھلے، نہایت خوش بیان خطیب اور سنجیدہ مقرر تھے، عرصہ دراز تک غیر منقسم ہندوستان میں جمعیت العلماء ہند کے پلیٹ فارم پر مولانا حفظ الرحمن صاحب مرحوم کے رفیق کار رہے اور پھر احرار کے پلیٹ فارم پر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ساتھی رہے، دینی، سیاسی غرض ہر موضوع کی لحاظ سے بہترین خطیب تھے، ختم نبوت کی تحریک میں قید و بند کی تکلیف سے بھی دوچار ہوئے، آخر میں راولپنڈی میں مدرسہ حنفیہ محلہ ورکشاپی کے مہتمم تھے اور اس طرح مولانا قاری محمد امین صاحب کی رفاقت و معیت میں ایک علمی درس گاہ کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت بے کراں اور رضوان ابدی سے جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے اور بال بال مغفرت ہو، آمین۔

حریفاں بادہا خوردند و رفتند تہی خم خانہا کردند و رفتند

[جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ - اکتوبر ۱۹۶۶ء]

مولانا عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ

رجب اور شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۶۶ء میں ناقابلِ تلافی حوادث و صدمات پیش آئے۔ ۳ رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۴ نومبر ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ملتان کے مشہور فاضل عالم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب واصلِ بحق ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ، مرحوم دارالعلوم کبیر والا ضلع ملتان کے بانی و مہتمم و صدر مدرس تھے، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کے ان ممتاز تلامذہ میں سے تھے جن کی پوری زندگی علوم نقلیہ و عقلیہ کی تدریس میں گزری، نہایت ذکی عالم تھے، انداز بیان نہایت سلیحہا ہوا تھا، علمی مشکلات کو سادے اور مختصر انداز سے حل کرنے پر پوری پوری قدرت رکھتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمہ اللہ کے عہد صدارت میں دارالعلوم دیوبند کے طبقہ علیاء کے اساتذہ میں عہدہ تدریس پر فائز رہے، نہایت خوش پوشاک، خوش لباس تھے، بیوی و بچوں کی فکر سے آزاد درس و تدریس کے علمی مشاغل کے لئے یک قلم فارغ تھے، قحط الرجال کے دور میں ایسی ہستیتوں کا وجود انتہائی غنیمت ہوتا ہے، جن کی زندگی سے دینی درس گاہوں کی رونق قائم رہتی ہے، اس پر آشوب عہد میں جبکہ علوم دینیہ کا مقصد بھی وہی ہو گیا ہے جو علوم دنیوی کے حاملین کا ہے وہی دنیوی آسائش و راحت، دنیوی عزت و وجاہت، شکم پروری و تن آسانی، ایسے محقق روزگار عالم کا اٹھ جانا ناقابلِ برداشت صدمہ ہے۔ وفی اللہ عزاء من کل ہالک۔

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے، زلات و تقصیرات معاف فرمائے اور راحت و رضوان کے اعلیٰ درجات نصیب فرمائے، آمین۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی والدہ ماجدہ کی وفات کا حادثہ

انتہائی رنج و غم کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ ہمارے محترم عالم ربانی مولانا ابوالحسن علی میاں کی والدہ محترمہ ۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۶۸ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت کر گئیں، **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ**۔

مرحومہ عابدہ، زاہدہ، صالحہ، شب خیز اور معمر خاتون تھیں، جن کی نظیر عصر حاضر میں کم ملتی ہے، ان کے والد ماجد حضرت سید ضیاء الدین مرحوم بن سید سعید الدین مرحوم اپنے زمانہ میں عبادت و تقویٰ اور تعلق مع اللہ میں یگانہ روزگار تھے، مرحومہ کے کمالات کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ ان ہی کی آغوش تربیت میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی مرحوم اور عالم ربانی مولانا ابوالحسن جیسے نادرہ روزگار حضرات سراپا اخلاص بنے، اپنی اولاد کو مرحومہ کی وصیت مبارکہ تھی کہ دین کو حصول دنیا کا ذریعہ نہ بنائیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اس پاکیزہ روح (روح طیبہ) پر جس نے اس انداز اور اس اخلاص سے تربیت کر کے امت کے سامنے سراپا عمل اور مرقع اخلاص اولاد کا نمونہ پیش فرمایا، مرحومہ نے ۹۳ سال کی عمر پائی، گویا صحیح معنی میں ”خیر کم من طال عمرہ و طاب عملہ“ تم میں بھلا آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل اچھا ہو، کی مصداق تھیں، آنے والے سب جانے کے لئے ہی آتے ہیں لیکن مولانا علی میاں صاحب کے لئے والدہ محترمہ

کی دعوات صالحہ اور نالہائے نیم شبی سے محروم ہونا بڑا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو رحمت و رضوان سے جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی روحانی توجہات سے ہمارے مولانا علی میاں کو بعد الموت بھی مالا مال فرمائے اور ان کی وفات، محترم مولانا علی میاں کے لئے حیات سے زیادہ باعث خیر و برکت ہو، آمین۔

مرحومہ اپنے آبائی وطن رائے بریلی تملیہ حضرت شاہ علم اللہ رحمہ اللہ میں اپنے مرحوم شوہر حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب۔ ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ کے جوار میں آسودہ خاک ہوئیں۔

فرحمہا اللہ رحمۃ المؤمنات الصالحات القانتات.

[شعبان ۱۳۸۸ھ]



مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲/رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۳/نومبر ۱۹۶۶ء کو مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحلت فرما گئے، مرحوم وقت کے بہترین قادر الکلام خطیب تھے، نہایت پر اثر مقرر تھے، حاضر جواب تھے، بیک وقت منبر و محراب و مدرسہ کی رونق تھے، مجلس تحفظ ختم نبوت کے عرصہ تک صدر رہے، عرصہ دراز تک حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے رفیق کار رہے، حضرت شاہ بخاری کے میر العقول خطابت کی بعض خصوصیات کے صحیح وارث تھے، عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ و علمبرداری نے ان کی زندگی میں وقار و عظمت اور عوام کے دلوں میں محبت پیدا کر دی تھی، مدارس دینیہ کے سالانہ جلسے ان کے دم سے بارونق تھے، ایسے باکمال آتش فشاں خطیب کی رحلت بڑا سانحہ ہے، مرحوم کی وفات سے جلسے افسردہ ہو گئے اور دینی اجتماعات پژمرده ہو گئے، گلستان مجلس ختم نبوت کی ہزار داستان، خوش نوا بلبل ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کی خدمات کو خلعت قبول سے نوازے اور ان کو ترقی درجات کا وسیلہ بنائے، بعارضہ سرطان جگر بیمار رہے، آخر جانِ جانِ آفریں کے سپرد کردی، مرحوم کے جنازے میں ملتان، بہاولپور، لاہور، لائل پور کے ہزاروں بندگانِ خدا شریک ہوئے، حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا جان محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ شعبان ۱۳۸۶ھ کی ۲۳ تاریخ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ریاست سوات کے مشہور عالم مولانا جان محمد صاحب بعارضہ قلب طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔

مرحوم ریاست سوات کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی پوری ہی زندگی اپنے ملک کے عوام کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں خاموشی سے گزری، صاحب نسبت مخلص باخدا بزرگ تھے، خشوع و خضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے، نالہائے سحری میں دیدہ و دل کی حسرتیں نکالا کرتے تھے، ہمارے رفیق کار مولانا فضل محمد (سواتی) صاحب استاذ حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے والد ماجد تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور پسماندگان کو اس جانکاہ صدمہ میں صبر جمیل و شکیبائی نصیب فرما کر اجر جزیل عطا فرمائے، آمین۔

خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کے دو فرزند مولانا فضل محمد صاحب اور قاری فضل حلیم صاحب علم و عمل اور خاموشی کے ساتھ دین کی خدمت کرنے میں اپنے والد محترم کے صحیح جانشین ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی مزید توفیق مرحمت فرمائے۔

مولانا شیر محمد سندھی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ علماء ربانی کے قافلے بڑی سرعت کے ساتھ عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں، علمی و دینی بساط بڑی تیزی سے سمٹ رہی ہے، دینی شمعیں بجھی جا رہی ہیں اور علمی محفلیں سونی ہوتی جا رہی ہیں اور ایسے دور میں جب کہ آئندہ کوئی توقع نہیں کہ دوبارہ یہ محفلیں آراستہ ہو سکیں گی اور یہ چراغ روشن ہو سکیں گے۔

مغربی پاکستان کے علاقہ سندھ کے ایک مشہور اور معمر عالم دین مولانا شیر محمد صاحب نے ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ کی شب میں داعی اجل کو لبیک کہی، موصوف سندھ کے محقق عالم، متواضع درویش اور منکسر المزاج بزرگ تھے، باخدا شخصیت تھی، صرف ونحو کے امام تھے، مسائل صرف اور دقائق نحو سے شغف کیا عشق تھا، علم صرف میں ایک عمدہ کتاب کے مصنف تھے اور سکھر میں دینی درس گاہ کے مؤسس تھے، موت بھی عجیب واقع ہوئی، ۲۴ رمضان کی صبح کو غسل کیا، نئے کپڑے زیب تن کئے، گویا سفر کی تیاری ہے، دن بھر روزہ رہا، قبل افطار زیادہ طبیعت خراب ہو گئی، معمولی علالت کا سلسلہ پہلے ہی سے چلا آ رہا تھا، کچھ وصیتیں فرمائیں، افطار کے وقت غنودگی بڑھ گئی، جس کی وجہ سے روزہ افطار نہ ہو سکا، بالآخر نصف شب ۲۵ رمضان کو روح قفسِ غصری سے ”اللہ! اللہ“ کہہ کر پرواز کر گئی:

إنا لله وإنا إليه راجعون

سبحان اللہ! موت کیا تھی، گویا زندگی کا رخ دنیا سے عالم آخرت کی طرف مڑ گیا اور طرفۃ
 العین میں عالم فانی سے کٹ کر عالم آخرت سے جڑ گئے، راقم الحروف کے کرم فرما اور دعا گو تھے۔
 اللہ تعالیٰ سفر آخرت کے تمام مراحل آسانی سے طے کرائے، درجات عالیہ نصیب فرمائے
 اور رحمت و رضوان کے گلدستے بچھا ور ہوں، خدا کا شکر ہے کہ ان کے خلف رشید برادرِ مولا نامہ محمد انور
 صاحب موجود ہیں، ان سے توقع ہے کہ وہ مرحوم باپ کی جانشینی کا حق ادا کر سکیں گے۔



مولانا احمد حسن چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ

مشرقی پاکستان کے دو مشہور عالم دونوں چاٹگام کے ایک ماہ رجب ۱۳۸۶ھ اور ایک ماہ رمضان ۱۳۸۶ھ میں واصلِ بحق ہوئے۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب جیری ضلع چاٹگام کے نہایت مخلص، جفاکش اور باخدا عالم تھے، مدرسہ اسلامیہ عربیہ جیری کے بانی تھے، اپنی پوری زندگی مدرسہ کی ترقی اور خدمت میں گذاری، ۵۶ سال فرائضِ اہتمام کی انجام دہی کی توفیق نصیب ہوئی، غالباً مدرسہ معین الاسلام ہاٹھ ہزاری کی قدیم ترین درسگاہ کے فارغ التحصیل تھے، مولانا قاضی محمد حسین صاحب خلیفہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ سے مجاز تھے، بگلہ زبان میں نہایت خوش بیان واعظ تھے، وعظ میں بہت اثر تھا، ان کے مدرسہ میں عارف باللہ شیخ الہند حضرت محمود حسن دیوبندی اور ان کے صحیح جانشین حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا اصغر حسین صاحب (رحمہم اللہ) سب ہی حضرات کے قدم پہنچے ہیں، راقم الحروف بھی مرحوم کے اصرار پر وہاں گیا تھا اور صحیح بخاری شریف کا ایک درس بھی دیا تھا، طویل علالت کے بعد ۲۳ رمضان ۱۳۸۶ھ کو ۸۷ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔



مولانا محمد اسماعیل چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ

شہر چاٹگام میں مولانا محمد اسماعیل صاحب ایک جید عالم تھے، دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، عرصہ دراز تک علوم کتاب و سنت کی تدریس میں مشغول رہے، آخر میں چاٹگام شہر کے ایک محلہ میں مظاہر العلوم کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی، اہتمام کے فرائض خود انجام دیتے رہے، نہایت متواضع اور رقیق القلب تھے، اخلاص و تواضع اور رقت قلب میں ممتاز تھے، راقم الحروف کو تین چار مرتبہ شرف زیارت نصیب ہوا، بارہا دیکھا کہ تقریر سنتے وقت رویا کرتے تھے، آخر ستر سال کی عمر میں بتاریخ ۲۴/رجب ۱۳۸۶ھ حیات مستعار کو الوداع کہہ کر حیات جاودانی سے ہمکنار ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ ان پاکبازان پاک طینت کو اپنی رحمت و مغفرت و درجات عالیہ سے نوازے، آمین۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں بول کر سب اڑ جائیں گے

[ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ - اپریل ۱۹۷۶ء]



مولانا تاج الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

افسوس ہے کہ مشرقی پاکستان کے مشہور عالم دین مولانا تاج الاسلام کا ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ کو انتقال ہو گیا، موصوف دیوبند کے ممتاز فارغ التحصیل، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید، بنگال کے عمدہ عربی ادیب اور شاعر، مخلص اور بے لوث خادم دین اور اچھے واعظ تھے، عرصہ دراز تک علوم نبوت (قرآن وحدیث) کا درس دیا، برہمن باڑیہ میں ایک مدرسہ کے بانی اور صدر تھے، طالب علمی کے زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹ میں ایک بلند پایہ عربی قصیدہ لکھا تھا، جسے حضرت امام العصر اور دیگر اساتذہ نے بے حد پسند فرمایا اور بڑی قدر فرمائی، اس کے چند شعر جو علمی اعتبار سے بہت اونچے تھے مجھے بھی سنائے، موصوف سے ملاقات کئی بار ہوئی ایک مرتبہ تو مجمع الجوٹ الاسلامیہ کی موتمر قاہرہ کے سفر میں ہمارے ہاں کا موقعہ بھی ملا، موتمر کے لئے موصوف کا نام نامی میں نے ہی پیش کیا، وہاں پندرہ دن تک ایک کمرے میں رفاقت رہی اور موصوف کے اخلاص اور مزاج کی سادگی کا مزید علم ہوا۔

افسوس کہ مولانا کی وفات کے وقت میں سفر میں تھا، مدینہ طیبہ میں انتقال کی خبر سنی اور اس وقت کچھ لکھانہ جاسکا۔ حق تعالیٰ آغوش رحمت میں سکون و رضوان الہی سے سرفرازی اور جنت الفردوس نصیب فرمائے، عمر غالباً ستر سال ہوگی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

[ربیع الاول ۱۳۸۷ھ]

اہلیہ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہؒ

حضرت الشیخ الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ مولانا حکیم محفوظ علی صاحب کی ہمیشہ مکرمہ اور عزیز مولانا ازہر شاہ و مولانا انظر شاہ کی والدہ ماجدہ مرض سرطان سے طویل و مدید اور صبر آزما علالت کے بعد ۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۶۷ء بروز سہ شنبہ دیوبند محلہ خانقاہ میں رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئیں اور امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہی سپرد خاک ہوئیں۔

مرحومہ گنگوہ کے ایک مشہور سادات خاندان سے تھیں، حضرت الشیخ امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بہت سلیقے سے بچوں کی تربیت کی اور اس ۳۵ سال کے عرصہ میں بڑے بڑے مصائب کا نہایت صبر و استقلال سے مردانہ وار مقابلہ کیا، مرض وفات میں اکثر بے ہوشی کی حالت طاری رہتی، آب و دانہ سے تعلق ختم تھا، لیکن نماز کے وقت ہوش آجاتا اور فریضہ نماز ادا کر لیتیں، مرحومہ کے وصال کی اطلاع ملتے ہی یہاں مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں صبح کو چھٹی کر دی گئی، تمام اساتذہ و طلبہ اور درجات حفظ و تجوید کے بچوں نے ختمات قرآن کریم سے ایصال ثواب کیا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس نصیب فرمائے، آغوش رحمت میں جگہ دے اور رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائے۔

اللهم اغفر لها وارحمها وعافها واعف عنها واكرم نزلها ووسع مدخلها
وارزقها دارا خيرا من دارها ودارا خيرا من جارها بحرمة سيد المرسلين
وخاتم النبيين محمد صلى الله عليه وسلم

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ]

حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کی ۲۴ تاریخ چہار شنبہ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۷ء کو دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز محقق عالم، یگانہ روزگار استاذ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کے وصال کا جانکاہ حادثہ پیش آیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ موصوف حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے، درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین مدرس اور استاذ تھے، اپنی حیات طیبہ کا بہت بڑا حصہ علوم نقلیہ و عقلیہ کی تدریس و تعلیم میں ہی صرف کیا، پورے ساٹھ برس تدریس علوم دینیہ کی خدمت انجام دی، ابتدائی دور میں دہلی کے مدرسہ فتح پوری میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، پھر دارالعلوم دیوبند میں زندگی کا طویل تر حصہ اسی کارخیر میں گذرا، کچھ عرصہ ہاٹھ ہزاری چانگام کو اور چند ماہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو بھی آپ کے تدریسی عہد کا شرف حاصل رہا، پھر اپنے مادر علمی دارالعلوم میں ہی واپس آ گئے اور زندگی کی آخری سانس تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے، حضرت مولانا مدنی قدس اللہ روحہ کے وصال کے بعد دارالعلوم کے صدر الاساتذہ کے عہدے پر فائز رہے، ذکاوت، قوت حافظہ اور حسن تعبیر میں خصوصاً معقول و منقول کی مشکلات کے حل کرنے میں کیتائے روزگار تھے اور درس نظامی کی آخری کتابوں کے بے نظیر استاذ تھے، ہندو پاک کے تقریباً تمام علماء کرام کے بلا واسطہ یا بالواسطہ استاذ تھے، شاید ہی علمی دنیا کا کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں مرحوم کے تلامذہ نہ موجود ہوں، نصف صدی سے زیادہ تو دارالعلوم میں ہی علوم درسیہ کی

خدمت انجام دی ہے، مرحوم اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدماء سلف کی یادگار تھے، جو کتاب پڑھاتے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نہ صرف اس کے حافظ ہیں بلکہ اس کے مالہ و ماعلیہ پر مصنف سے بھی زیادہ حاوی ہیں، مشکل مسائل میں ایسی عمدگی کے ساتھ دھیمی دھیمی آواز میں ایک عجیب تسلسل کے ساتھ تقریر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا، افسوس کہ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب تیزی کے ساتھ غروب ہو رہے ہیں اور علمی گلستان اس طرح اجڑتے جا رہے ہیں کہ ان کی آبادی کی دوبارہ کوئی توقع نہیں۔

إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ
وَارْحَمْهُ وَارْضَهُ وَارْضَ عَنْهُ وَارْفَعْ دَرَجَاتِهِ آمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ
عَلَى صَفْوَةِ الْبَرِيَّةِ حَبِيبِ رَبِّ الْعَالَمِينَ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَتَابِعِيهِ أَجْمَعِينَ.

[ذوالقعدہ ۸۷۷ھ]



مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام
ماہنامہ ”الفرقان“، لکھنؤ میں یہ دردناک خبر پڑھی کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
واصل بحق ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف ضلع اعظم گڑھ (یوپی، بھارت) کے ایک گاؤں فتح پور ”تال نرجا“ کے رہنے
والے تھے، معمر بزرگ تھے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے اکابر خلفاء میں تھے، آپ کے فیوض
وبرکات سے نہ صرف یوپی اور شمالی ہندوستان بلکہ جنوبی ہند اور بمبئی کے علاقے بھی فیض یاب
تھے، مخلصین و احباب و اقرباء کے قافلہ کے ہمراہ ”مظفری“ جہاز سے دیار مقدسہ حرمین شریفین
کے لئے روانہ ہو چکے تھے، ماہ رمضان کے عمروں اور طوافوں کا جذبہ لئے جارہے تھے کہ داعی
اجل سمندر کی طوفان خیز موجوں میں پہنچ گیا اور بجائے دیار قدس ملاء اعلیٰ کی سیر کے لئے روح ملکوتی
جسد غضری سے بوقت سحر پرواز کر گئی اور جسد غضری دیار قدس کے سپرد کر دیا گیا، یہ حادثہ ۲۴-۲۵
نومبر کی درمیان شب کے اخیر حصہ میں پیش آیا، سبحان اللہ! کتنے آثار برکات و رحمت کے جمع
ہو گئے۔ اللہم اغفر لہ وارحمہ وارفع درجۃ و متع المستفیضین بہرکاتہ۔

افسوس کہ صالحین کے قافلے بہت ہی سرعت کے ساتھ آخرت کی طرف جارہے ہیں
اور یہ مادی دنیا روحانی برکات سے خالی ہوتی جا رہی ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون، هذا وصلى الله على صفوة البرية سرالوجود سيدنا
محمد وآله وأصحابه وصالحى عباده أجمعين.

مولانا سید حمید الدین فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

صدمہ کی بات ہے کہ علماء ربانین کے قافلے بڑی سرعت سے عالم آخرت کی طرف کوچ کر رہے ہیں اور یہ سرزمین صالحین کی برکات سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔

ماہ شعبان ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۶۹ء کو ہندوستان کے ایک جلیل القدر محدث عالم ربانی مولانا سید حمید الدین بن محبوب علی فیض آبادی نے کار کے حادثے میں اپنی جان عزیز جہاں آفریں کے سپرد کی، موحوم حضرت امام العصر مولانا نور شاہ رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور دورۂ حدیث میں میرے رفیق ہم نفس تھے، عربی کے ادیب تھے اور شاعر بھی، حضرت مدنی کے بھانجے تھے اور حضرت مدنی سے بیعت بھی تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن ہنسور ضلع فیض آباد (یوپی) میں حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تحصیل کی اور جو قافلہ حضرت امام العصر مولانا محمد نور شاہ رحمہ اللہ کے ساتھ دیوبند سے ڈابھیل ضلع سورت گیا تھا اس کا رواں میں شریک تھے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں فراغت پائی اور ۱۶ طلبہ جو ۶۵ طلبہ حدیث میں سے درجہ اولیٰ میں کامیاب ہوئے ان میں آپ تھے، فراغت کے بعد ابتداء کچھ عرصہ سرزمین سندھ کے مقام پیر جھنڈا میں رہے، جہاں حدیث و رجال کے نادر محظوظات سے استفادہ کا زریں موقع انہیں میسر آیا، پھر مدرسہ انوار الاسلام بہرائچ میں مدرس رہے، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث رہے، آخر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں شیخ الحدیث کے عہدے پر خدمت حدیث

انجام دیتے رہے، دارالعلوم دیوبند سے درس حدیث کی خدمت کے لئے بلائے گئے تھے لیکن شاید نہ آ سکے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے، دہلی سے بذریعہ کار اپنے خاندان سمیت دیوبند مجلس شوریٰ کے اجلاس کے لئے آ رہے تھے، مظفرنگر کے قریب ایک ٹرک سے تصادم میں شہید ہو گئے، ممبران مجلس شوریٰ کے اکثر افراد حضرت مولانا محمد طیب صاحب، مولانا محمد میاں صاحب، مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی، مولانا مرغوب الرحمن بجنوری، مولانا حامد الانصاری غازی وغیرہ حضرات موقع پر پہنچے اور جنازہ دیوبند لایا گیا، نماز جنازہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی اور قبرستان قاسمی میں اپنے شیخ عارف مدنی حضرت مولانا سید حسین احمد رحمہ اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے، ۲۰ رسال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے تھے اور ۴۳ رسال علوم نبویہ کی خدمت کر کے ۶۳ رسال کی عمر میں عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے تاکہ رفاقت کا تھوڑا بہت حق ادا ہو سکے لیکن:۔

ان چند سطروں پر اکتفاء کرتا ہوں۔

اللهم اغفر له وارحمه وارض عنه واحشره مع عبادك الصالحين العلماء

العاملين والمحدثين، آمین یا رب العلمین

مرحوم برادر محترم مولانا سید محمد اسعد ابن العارف المدنی کے خسر تھے، اس حادثہ میں مولانا اسعد میاں کے جگر گوشہ عزیزم محمد بھی شدید زخمی ہو گئے تھے، چار پانچ دن کے بعد وہ بھی وفات پا گئے اور اس طرح مولانا سید اسعد کے لئے ذخیرہ آخرت بن گئے۔

اللهم اجعله له ذخرا واجرا و شافعا ومشفعا.



مولانا شمس الحق فرید پوری رحمۃ اللہ علیہ

مشرقی پاکستان کے مشہور عالم ربانی جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری طویل علالت کے بعد بروز سہ شنبہ ۲/ ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۶۹ء کو واصل بحق ہوئے، مرحوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور سرچشمہ سلوک تھانہ بھون سے روحانی فیض حاصل کیا تھا، مخلص و حق گو تھے، بلا خوف لومۃ لائم ہمیشہ اعلان حق کرتے رہے، استقامت رائے، اصابت فکر اور اظہار حق میں فرید و وحید تھے، اپنے وطن فرید پور میں سپرد خاک ہوئے۔

اللهم اغفر له مغفرة ظاهرة وباطنة وارفع درجاته واجعله من عبادك المقربين.



مولانا نصیر الدین غور غشتی رحمۃ اللہ علیہ

مغربی پاکستان کے شمال مغرب میں موضع غور غشتی ضلع کیمبل پور سے بھی علم و اخلاص کے جوہر نایاب، تقویٰ و طہارت کے پیکر، صدق و صفا کے مجسمہ، عالم ربانی عارف الایمانی حضرت مولانا نصیر الدین صاحب کی روح مبارک عین اس وقت جب کہ وہ حج بیت اللہ کا عزم کر چکے تھے اور کراچی آنے کے لئے پابہ رکاب تھے ۳/ ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲/ جنوری ۱۹۶۹ء کو ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

مرحوم حضرت مولانا حسین علی نقشبندی سے روحانی کمالات حاصل کر کے ان کے خلیفہ بن گئے تھے، عرصہ دراز تک علوم نبوت کا درس دیتے رہے، تقریباً چالیس سال سے زیادہ صحاح ستہ، ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ کا درس دیا، علم نبوت کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، ہزار ہا مخلوق خدا کو فیضیاب فرمایا، غالباً عمر مبارک سو سال سے متجاوز تھی، تمام عمر قال اللہ وقال الرسول کی صدا سے معمور رہی، اس پر فتن دور میں ایسے نفوس قدسیہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے جن کی تمام عمر علم و دین کی خدمت میں گزری ہو، نہ راحت کی فکر، نہ تنخواہ و مشاہروں کا تصور، نہ دولت اور عزت و وجاہت کی آرزو، فقیرانہ زندگی مسجد میں گذاری، درحقیقت اسی قسم کے پاک طینت نفوس مقدسہ ہیں جو علوم نبوت کے وارث اور مسند نبوت کے جانشین ہیں:

نظروا فیہا فلما علموا انہا لیست لحیّ وطنّا
 جعلوها لجة واتخذوا صالح الاعمال فیہا سفنّا
 ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کے کچھ سمجھدار بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے فتنوں سے ڈر
 کر دنیا کو طلاق دے دی۔

دنیا میں غور کرنے سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ کسی بھی زندہ مخلوق کا مقام اور وطن
 نہیں ہے۔

اس لئے انھوں نے دنیا کو ایک غرقاب سمندر سمجھ کر نیک اعمال کے سفینوں سے
 اسے عبور کیا ہے۔

فاللہم اغفرلہ وارحمہ وأکرم نزلہ ووسع مدخلہ وارزقہ دارا خیرا من
 دارہ وجارا خیرا من جارہ وانزل علیہ شأیب رضوانک ونفحات من
 قدیم احسانک فانت المنان وأنت الحنان وانت قدیم الاحسان وأنت
 ذوالجلال والاکرام وصلى الله على سيد بنى عدنان سيد المرسلين وامام
 المتقين وخاتم النبیین امام الخیر وقائد الخیر ورسول الرحمة وعلى آله
 وعترته وأهل بيته وصحبه ومن تبعهم أجمعين إلى يوم الدين.

[ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ]



حاجی محمد یعقوب کالیہ رحمۃ اللہ علیہ

انتقال پر ملال حاجی محمد یعقوب صاحب کالیہ بتاریخ ۸ مارچ ۱۹۶۹ء مطابق ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ روز شنبہ بوقت فجر (خزانچی مدرسہ عربیہ اسلامیہ و مسجد نیوٹاؤن)

کل نفس ذائقۃ الموت

بہت افسوس و صدمے کے ساتھ یہ خبر سنی جائے گی کہ ہمارے ہر دل عزیز بخلص صاحب لطف و کرم حاجی محمد یعقوب کالیہ دہلوی مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے خزانچی بتاریخ ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۸ مارچ ۱۹۶۹ء کو وفات پا گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

موصوف پہلے وہ شخص ہیں جن کے ابتدائی مشورے سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا افتتاح جامع مسجد نیوٹاؤن میں کیا گیا تھا اور تقریباً مدرسہ کے سات ماہ گزرنے کے بعد راقم الحروف نے موصوف کو مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا خازن مقرر کیا تھا اور جو رقم میرے پاس تھی موصوف کے حوالے کر دی تھی، موصوف نے نہایت اخلاص و ہمدردی سے یہ فریضہ انجام دیا اور مدرسہ کی معاونت بھی کرتے رہے، رفتہ رفتہ مدرسہ اور مدرسہ والوں سے محبت و اخلاص و تعلق انتہاء تک پہنچ گیا، مجھے حق تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ مدرسہ سے یہ تعلق و ہمدردی موصوف کے لئے آخرت میں رفع درجات کا باعث ہوگی۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ موصوف کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور بال بال مغفرت فرما کر

جنت الفردوس نصیب فرمائے، موصوف کی وفات پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے ناظم دفتر جناب حافظ قاری محی الدین احمد مکنون نے قطعہ تاریخ کہا ہے، جو درج کیا جاتا ہے:

صاحب خیر بزرگ اور عزیز طلباء خازن مدرسہ و مسجد جامع محبوب
دار فانی سے سوئے عالم جاوید گئے کہ تقاضائے مشیت کا یہی ہے اسلوب
یہ تو ہونا تھا کہ مجبور ہے انسان ضعیف چاہیے صبر کہ بے صبری ہے غایت معیوب
یہ دعا کیجئے کہ بخشش ہو خدا یا ان کی اور کوثر سے عطا ہوا نہیں جام مشروب

سال رحلت میں یہ مکنون سے ہاتف نے کہا
قصر جنت میں ہے سلطان محمد یعقوب

۱۳۸۸ھ

[محرم الحرام ۱۳۸۹ھ]



مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۵ / محرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۴ / مارچ ۱۹۶۹ء کو یومِ دوشنبہ مولانا سید احمد شاہ بخاری اجنالوی کا حادثہ وفات پیش آیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم قرآن کریم کے حافظ تھے، معقولات میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب اور ان کے خلف الرشید مولانا ولی اللہ صاحب ”انہی“ والوں سے مہارت حاصل کی تھی، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے عہدِ مشیخت میں دارالعلوم دیوبند سے فیضِ علوم نبوت حاصل کیا اور کلام و فلسفہ کی چند کتابیں حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع کا کاجیل سے بھی پڑھیں تھیں، ۱۳۵۲ھ صفر میں دیوبند پہنچ چکے تھے اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے جنازہ میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی تھی، نہایت ذکی تھے، طبیعت میں تحقیق کا مادہ تھا، مزاج میں بہت سادہ تھے، تکلف سے بالاتر تھے، زندگی تدریس و تالیف میں خاموشی کے ساتھ گزاری، چار سال جامع محمدیہ (جھنگ) میں مدرس رہے اور سترہ سال مدرسہ دارالہدی چوکرہ (سرگودھا) میں تدریسی، تبلیغی، تالیفی زندگی گزاری اور دارالہدی سے روشیت میں ماہنامہ ”الفاروق“ جاری کیا جو عرصہ ۶، ۷ سال تک دشمنان اسلام کے حملوں کا تابڑ توڑ دفاع کرتا رہا اور دلائلِ حقہ سے اہل تشیع کو مبہوت کر دیا، ۱۳۸۶ھ سے سرگودھا شہر میں مسجد فاروق اعظم اور دارالعلوم فاروق اعظم کی بنیاد ڈالی، مرحوم ردِ روافض و شیعیت کے ممتاز عالم تھے، مدح صحابہ میں

نکتہ آفرین طبیعت پائی تھی، ”تحقیقِ فذک“ ان کی محققانہ تالیف یاد رہے گی، ”بسطِ الیدین“ محمد سبطین شیعہ عالم کی کتاب کی تردید میں مشغول تھے، افسوس کہ یہ کتاب نا تمام رہ گئی اور داعیِ اجل کو لبیک کہ کرو اصلِ بحق ہو گئے:۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ
تریٹھ سال عمر پائی اور آبائی مسکنِ اجنالہ میں مدفون ہوئے، افسوس کہ اس طرز کے علماء
جو سراپاِ اخلاص بن کر خاموشی کے ساتھ اونچی دینی و علمی خدمات انجام دیتے ہوں رخصت ہو رہے
ہیں اور کوئی جانشین نہیں چھوڑتے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون اللهم اغفر له وارحمه واکرم نذله بفضلک
وکرّمک یا أرحم الراحمین۔

[صفر ۸۹ ۱۳ھ]



مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذی لا باقی الا وجهه ولا راد لقضائه والصلاة والسلام علی
خاتم انبیائه وعلی آلہ واصحابہ واولیائہ.

شب یک شنبہ بتاریخ یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۹۶۹ء حضرت مولانا
عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین میں اللہ تعالیٰ سے جا ملے:

إنا لله وإنا إليه راجعون

مرحوم کا آبائی وطن موضع ”جدیا“ علاقہ چمکیسر ریاست سوات تھا، ابتدائی تعلیم وطن ہی
میں پائی اور آخری تعلیم مدرسہ امینیہ دہلی میں ہوئی، فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ امینیہ میں
مدرس بھی رہے، پھر ضلع مظفر گڑھ کے ایک گاؤں مسکین پور میں حضرت مولانا فضل علی صاحب
قریشی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی، جہاں ذکر و شغل کے ساتھ ساتھ حضرت قریشی کے
مہمانوں کی خدمت میں کنوئیں سے پانی نکالنے اور جنگل سے لکڑیاں لانے کا سلسلہ بھی جاری رہا،
خوب مجاہدہ نصیب ہو اور آخر اپنے شیخ کامل کی توجہ سے وہ مقام حاصل کیا جو غالباً شیخ کے مرید
ین میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا ہوگا، ان مخلصانہ خدمات اور مجاہدات و ریاضات نے انہیں اپنے
شیخ کا صحیح جانشین بنادیا، بالآخر ہجرت کی نیت سے مدینہ طیبہ پہنچے اور حج و زیارت کے بعد وطن
آ کر اپنی تمام جائیداد فروخت کر دی اور مدینہ طیبہ میں سید محمود صاحب سے (جو حضرت مولانا

حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی ہیں) تین ہزار ریال میں ایک مکان خریدا، غالباً آدھی رقم تو اسی وقت ادا کر دی تھی اور باقی بعد میں ادا کی گئی۔

مدینہ طیبہ میں دورانِ قیام ہر سال حج کی توفیق ہمیشہ نصیب ہوتی رہی اور عمرے بھی ادا کرتے رہے، آپ کو عمرہ کرنے کا بہت شوق تھا، ہر سال ماہِ رمضان میں عمرہ کے لئے جاتے رہے اور مسجد نبوی میں اعتکاف بھی کرتے رہے، یہ اسی عشق کا نتیجہ تھا کہ وفات تک نہ توج حج ترک ہوا اور نہ رمضان المبارک کا عمرہ اور مسجد نبوی کا اعتکاف چھوٹا، اس سال بے حد کمزور تھے لیکن پھر بھی اعتکاف کی سعادت نصیب ہوئی، اعتکاف میں تمام رات تراویح، قیام لیل اور ختمات قرآن میں ان کی فوق العادہ استقامت قابلِ رشک تھی، اس دفعہ موسمِ حج میں غلبہ امراض کی وجہ سے طبیعت انتہائی کمزور تھی لیکن عشقِ عبادت سے سرشار طبیعت کہاں صبر کر سکتی تھی، چنانچہ سفرِ عشق کے لئے مدینۃ الرسول سے بلد اللہ الامین کو روانہ ہو گئے، مٹی پہنچتے ہی طبیعت خراب ہو گئی، کسی نہ کسی طرح میدانِ عرفات میں پہنچ گئے لیکن وہاں بے ہوشی کا سا عالم طاری رہا، عرفات میں سرکاری ہسپتال میں داخل کئے گئے، وہاں سے سرکاری ایسبولینس کار میں مزدلفہ سے مٹی اور وہاں سے مکہ پہنچے، شہری پر طواف زیارت اور طواف وداع فرمایا اور وقوفِ مزدلفہ اور رمیِ جمرات کے لئے باوجود توکیل کے دو دم دیئے اور اسی حالت میں مدینہ طیبہ پہنچے، کچھ عرصہ کے بعد کراچی کے خالصین کے اصرار پر بغرض علاج کراچی تشریف لے آئے لیکن جب معلوم ہوا کہ علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے تو ایک ہفتہ کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور ۷۷ سال کی عمر میں جانِ جان آفرین کے سپرد کر دی۔

مرحوم طبعاً انتہائی متواضع باوفا اور مہمان نواز تھے، صدق و صفا اور اخلاص کے پیکر اور تقویٰ و طہارت، استقامت اور بکثرتِ عبادت میں یکتا تھے، بیعت و ارشاد کے اونچے مقام نے

ان طبعی مکارم اخلاق کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اصلاحی مواعظ و بیان پر اچھی قدرت تھی، وعظ نہایت مؤثر ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ: ”میں تو توبہ و اصلاح کی بیعت کرتا ہوں“، چنانچہ ان کی بیعت سے نہ صرف افراد بلکہ خاندانوں کی اصلاح ہو گئی، سیرتیں اور صورتیں بدل گئیں، ان کی صحبت و توجہ بھی نہایت مفید و مؤثر تھی، سلسلہ بیعت و ارشاد پاکستان و ہندوستان کے علاوہ مصر و شام اور ترکی تک پہنچ گیا تھا، سب سے بڑی کرامت اتباع سنت اور استقامت تھی جو فوق الکرامۃ تھی، انتہائی افسوس ہے کہ مدینہ طیبہ میں اپنے رنگ کے دونوں بزرگ تھے، حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالغفور صاحب عباسی رحمۃ اللہ علیہ، یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے اور اس طرح مدینہ طیبہ میں سلوک و ارشاد کی یہ دونوں مسندیں خالی ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و رضوان ان کی آغوش میں درجات رفیعہ عالیہ نصیب فرمائے۔

فرحمہ اللہ رحمة الأبرار الصالحین والعلماء الربانیین والعباد المقربین۔



حضرت مولانا محمد مبین خطیب رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ صالحین و علماء کے قافلے بہت تیزی کے ساتھ عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں، ۲۷ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۵/۱۱ پر ۱۹۶۹ء کو مولانا محمد مبین خطیب دیوبندی (مولانا محمد متین خطیب کے والد ماجد) انتقال فرما گئے، مرحوم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ کے قافلہ کے رفقاء سفر میں سے تھے، نہایت صالح اور سن رسیدہ بزرگ تھے، عمر مبارک نوے سال سے متجاوز تھی، متواضع، سنجیدہ اور بااخلاق شخصیت کے آدمی تھے، حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرما کر ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے، صحیح بخاری میں حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يذهب الصالحون الأول فالأول ويبقى حفالة كحفالة الشعير أو التمر
لا يبالي الله بهم بالة.

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ذهاب الصالحين)

یعنی صالحین یکے بعد دیگرے طبقہ بہ طبقہ رخصت ہوتے جائیں گے اور آخر میں ایسے نکلے لوگ رہ جائیں گے جیسے جو یا کھجور کا ردی حصہ رہ جاتا ہے، جن کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی، جن صالحین کا وجود اس عالم کے لئے باعث رحمت و موجب خیر و برکت ہے ظاہر ہے کہ ان کے اٹھ جانے سے خیر و برکت کا وہ حصہ بھی دنیا سے اٹھ جاتا ہے، ”إِنَّ اللَّهَ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أُعْطِيَ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى“

بلاشبہ اللہ کے لیے ہے جو کچھ وہ لیتا ہے اور جو کچھ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔

[ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ]

مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس ہے کہ اہل اللہ کے قافلے عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں اور دنیا ان کے انوار و برکات سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔

۱۳/ ذی القعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۲/ جنوری ۱۹۷۰ء کو حضرت مولانا محمد انوری کا ”لائل پور“ (فیصل آباد) میں تقریباً ستر (۷۰) سال کی عمر میں وصال ہوا، مرحوم ہمارے دور کے جید عالم اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے، جس سال حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا سے واپسی ہوئی اسی سال مرحوم دورہ حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب اور حضرت مولانا محمد احمد خلف الرشید حضرت نانوتوی رحمہم اللہ سے حدیث پڑھی، حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے، آپ کے بعد حضرت اقدس مولانا عبد القادر رائے پوریؒ سے بیعت کی اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے، حضرت شاہ صاحب سے خاص شغف و تعلق تھا اس لیے ”انوری“ کہلاتے تھے، بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، بہت سے لوگ آپ کی تعلیم و تربیت سے مستفیض ہوئے۔

فرحمہ اللہ رحمۃ واسعة، اللھم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ، وابدلہ دارا خیرا
من دارہ واهلا خیرا من اہلہ و تقبل حسناتہ و ارفع درجاتہ۔
صاحبزادہ برادر مولا نا سعید الرحمن اب آپ کے جانشین ہیں، حق تعالیٰ موصوف کو علماً
و عملاً و سیرۃً و اخلاقاً ان کا جانشین بنائے۔

[محرم الحرام ۱۳۹۰ھ]

مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ

بھوپال کی سرزمین تاریخ کے کسی دور میں علماء و صلحاء اور اہل فضل و کمال کا مرکز رہی ہے، حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کی ہستی انہی اربابِ قلوب کی آخری کڑی تھی جن کا فیض اس سرزمین میں جاری و ساری تھا اور جن کی صحبت کی برکات سے قلوب معمور ہوتے تھے، تقریباً تیس برس پہلے کی بات ہے کہ راقم الحروف حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی دعوت پر بھول پا گیا تھا، حضرت سید صاحب رحمہ اللہ کی مہمانی کا شرف نصیب ہوا، اس وقت سید صاحب عہدہ قضا اور تین درس گاہوں کے سرپرست کی حیثیت سے بھوپال میں قیام فرماتے تھے، سید صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ والی بھوپال کی خواہش ہے کہ یہ سرزمین دوبارہ علمی مرکز بنے، سید صاحب کا اصرار تھا کہ میں بھی ان کی رفاقت اختیار کروں، غرض اس سلسلہ میں پہلی مرتبہ بھوپال جانا ہوا تھا چونکہ میں سید صاحب کا مہمان تھا اور وہ بے حد شفقت فرماتے تھے، جگہ جگہ مجھے لے جاتے تھے، کبھی وزراء سے ملاتے اور کبھی ارباب علم و فضل سے بات کراتے، ایک دن فرمایا کہ یہاں ایک صاحب دل بزرگ مجددی طریقے کے ہیں، آج ان کے ہاں جائیں گے، چنانچہ سید صاحب کی معیت و رفاقت میں حضرت موصوف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، سید صاحب نے راقم الحروف کا تعارف کرایا اور خاموش بیٹھ گئے، نیچ و لاغر بدن، کم گو، خاموش طبع اور باوقار شخصیت، نورانی چہرہ، تبسم بلب، تسبیح بدست، یہ تھے مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی، یوں ہی ساقشہ خیال میں ہے،

اس مجلس کی اور کوئی بات اب یاد نہیں، عرصہ کے بعد برادر محترم جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب زیدت برکاتہم کے قلم سے بعنوان ”ایک دو ساعت باہل دل“ ماہ نامہ ”الفرقان“ وغیرہ میں بعض ملفوظات موصوف کے نظر سے گزرے، یاد آیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جن سے کچھ عرصہ پہلے ملاقات وزیارت کا شرف نصیب ہوا تھا۔ افسوس کہ موصوف ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ پنجشنبہ کی صبح بعمر ۸۷ سال بھوپال میں داخل بحق ہوئے اور اس طرح ہندوستان کی سرزمین ایک اور صاحب دل بزرگ سے خالی ہوگئی، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

انتہائی صدمہ ہے جو جاتا ہے اس کی مسند خالی ہو جاتی ہے، جن کی زیارت سے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے: ”وخیار عباد الله اذارؤوا ذکر الله“ اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کے دیدار سے اللہ یاد آتا ہے، جن کی صحبت سے دلوں کی اصلاح ہوتی ہے اور جن کے انفس سے مسیحا نفسی کا کام جاری رہتا ہے، دنیا کے گوشے گوشے سے اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک بندوں کے قافلے عالم آخرت کی طرف تیزی سے جارہے ہیں، یدھب الصالحون الأول فالأول وتبقى حفالة كحفالة التمر۔

حق تعالیٰ کی رحمتیں ان کی روح اور قبر پر نازل ہوں، رحمت ورضوان اور روح وریحان کی بشارتوں سے مالا مال ہوں، الفرقان لکھنؤ کے ذریعہ وفات کا علم ہوا، تفصیلات کے لئے الفرقان بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ دیکھا جائے۔

[رجب ۱۳۹۰ھ۔ ستمبر ۱۹۷۰ء]



عالم آخرت کے دو مسافر

مولانا سید محمد طلحہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ

رجب المرجب ۱۳۹۰ھ کے مبارک مہینے کی ۲۳ تاریخ کو مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء جمعہ کے مبارک دن میں دو صالح بزرگ عالم آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے:

إنا لله وإنا إليه راجعون

صبح نو بجے ایک بزرگ اور شام تین بجے دوسرے بزرگ، ایک نماز جمعہ سے پہلے اور دوسرے نماز جمعہ کے بعد، پہلے بزرگ حضرت مولانا سید طلحہ تھے جو حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے چشم و چراغ تھے، کریم النفس، خفیف الروح، خوش طبع، خوش مذاق، عربی علوم کے فاضل روزگار، عقلی و نقلی علوم کے ماہر، ادب و تاریخ کے شہسوار، انگریزی زبان کے گریجویٹ، عربی ادب کے عاشق، اردو ادب کے دلدادہ، متواضع بردبار، باوفا، سراپا اخلاص، مودت شعار افادہ و استفادہ کے حریص، مجلسی لطائف میں باغ و بہار اور بے تکلف، ان کمالات و خصائل کے باوصف، مزاج میں بڑی سادگی اور صاف ولی تھی، دوسروں کے کمالات کے بے حد معترف رہا کرتے، کسی کے ادنیٰ کمال کے اعتراف میں کبھی بخل نہ کرتے، حسد و نفاق سے سینہ صاف تھا، نیک نیتی و خیر خواہی میں اپنی نظیر آپ تھے، تاریخ کی شخصیات کے دانائے راز تھے، ٹونک کے ”مدرسہ

ناصریہ، میں تعلیم پائی تھی، دو بڑی ممتاز شخصیتوں کے ممتاز شاگرد تھے: ۱۔ حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹوکی مرحوم ۲۔ حضرت مولانا سیف الرحمن مہاجر افغانی، حضرت امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیدائی اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کے دوستوں میں تھے، ہمارے محترم گرامی قدر مولانا ابوالحسن علی کے پھوپھا تھے، عرصہ دراز تک لاہور میں اور نیٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر رہے، ایک عرصہ سے کراچی میں مقیم تھے اور مولانا طفیل احمد کے دارالتصنیف سے وابستہ ہو گئے تھے اور انگریزی تراجم سے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے انتخاب کی خدمت میں مشغول تھے، حق تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ان پر، ان کی قبر پر، اور ان کی روح پر ہوں، آمین۔



مولانا عبدالشکور کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

دوسرے بزرگ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب موضع بہبودی ضلع کیمبل پور علاقہ چھچھ کے رہنے والے تھے، مستند عالم، خوش بیان و اعظ، سراپا اخلاص اور مجسم زہد و تقویٰ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری کے زمانے میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے فارغ التحصیل ہوئے، فراغت کے بعد وہیں مدرس ہوئے اور آخر میں وہاں شیخ التفسیر کے عہدے پر فائز ہوئے، تمام زندگی بے سروسامانی میں گزاری، جو علماء ربانین اور علماء آخرت کی بڑی نشانی ہے، عرصہ دراز سے صحت خراب ہو چکی تھی، راولپنڈی میں عرصہ تک علاج جاری رہا، آخر اس فانی دنیا سے اکتا کر عالم آخرت کا رخ کیا اور پنڈی میں واصل بحق ہو گئے اور اپنے مسکن اصلی بہبودی ضلع کیمبل پور میں اس امانت الہی کو سپرد خاک کیا گیا۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت و مغفرت و رضوان سے مالا مال فرمائے، آمین۔

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

[رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ - نومبر ۱۹۷۰ء]



مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذى له البقاء وكتب على غيره الفناء والصلوة والسلام على
خاتم النبيين وسيد الرسل الاتقياء محمد وآله الأصفياء وصحبه الأذكيا
مادام تهمنى العيون بالبكاء وتسلى القلوب بالعزاء، وبعد:

۲۱/ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے گیارہ
بجے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری۔ بانی خیر المدارس ملتان۔ اس عالم فانی سے رحلت
فرمائے عالم آخرت ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بلاشبہ موت و حیات اس عالم کون و فساد کا
خاصہ ہے، یہاں جو آیا وہ رہنے کے لئے نہیں بلکہ جانے کے لئے ہی آیا، آنا اور جانا سنت بنی آدم
ہے اور ”کل نفس ذائقۃ الموت“ حق تعالیٰ کا تکوینی امر ہے، جس سے کسی کو بھی مخلص نہیں، یہاں
صبر و ضبط، تسلیم و انقیاد اور رضا بالقضا کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

ان للہ ما أخذ ولہ ما أعطى وكل شیء عنده بأجل مسمى
تاہم بعض شخصیتیں قافلۂ ہستی کے لئے مینارہ نور ہوتی ہیں، ان کے وجود مسعود سے علم
و دانش، زہد و تقویٰ اور یقین و معرفت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں اور ان کے دم قدم سے علوم
نبوت کا وقار قائم رہتا ہے، ان کے جانے کے بعد ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے کہ مستقبل میں ان کے پُر
ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، حضرت مولانا مرحوم کا شمار انہی جامع الکملات ہستیوں میں

تھا، وہ نہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے بلکہ بڑے عاقل و متین اور مدبر و منتظم تھے، علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی و اللہیت کا بہترین نمونہ تھے، ان کی موت عقل و دانش، حلم و وقار، تدبر و انتظام اور مکارم اخلاق کی موت ہے، ان کے وجود سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا، خانقاہ کی عظمت باقی تھی، ارشاد و تلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح و تربیت کی محفلیں آباد و بارونق تھیں، پاکستان کے مرکزی اور تاریخی شہر ملتان میں ان کا مدرسہ خیر المدارس اسم با مسٹی تھا، جہاں تعلیم و تدریس کے ساتھ تزکیہ نفوس، اصلاح، اخلاق اور تربیت قلوب کی طرف بھی توجہ تھی، صورت کے ساتھ روح بھی تھی، صفائی معاملات میں خصوصی امتیاز تھا، یوں حضرت مرحوم کی شخصیت تھا نہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرہ آفاق تھی، آپ حضرت حکیم الامت (قدس اللہ سرہ) کے خلیفہ مجاز اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن رکین تھے لیکن حضرت مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع اس وقت ملا جب کہ دینی درس گاہوں کی تنظیم ”وفاق المدارس“ کی بنیاد پڑی اور وفاق المدارس کے اجتماعات میں ان سے مصاحبت و ہم نشینی کے مواقع میسر آئے، انہیں جذبات سے بالاتر اور طیش و غضب سے پاک دیکھا، ان کے رگ و ریشہ میں عقل و دانش اور حلم و تدبر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے، بڑی قابل قدر ہستی تھی، حق تعالیٰ ان کو عفو و مغفرت اور رحمت و رضوان کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرمائے۔ صاحبزادگان گرامی مولانا حافظ رشید احمد، مولانا حافظ محمد شریف اور مولانا حافظ عبدالحق کو حضرت مرحوم کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے آثار باقیہ کو قائم و دائم رکھے۔

ایک حدیث میں ہے:

یذهب الصالحون الأول فالأول ويبقى حفالة كحفالة الشعير أو التمر

لا يبالیہم اللہ بالہ۔ (بخاری، کتاب الرقاق، باب ذہاب الصالحین)

نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے جائیں گے اور (انسانیت کی) تلچھٹ پیچھے رہ جائے گی جیسا کہ ردی جو اور کھجور رہ جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

ان الله تعالى لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من قلوب العباد ولكن يقبضه بقبض العلماء حتى اذا لم يبق عالما اتخذ الناس رؤوساً جهالاً فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلوا واضلوا. (مشکوٰۃ، کتاب العلم)

بے شک اللہ تعالیٰ اس علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے، بلکہ قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھاتا رہے گا، یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے سوالات ہوں گے، وہ بغیر جانے بوجھے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بقائے انسانیت کا مدار دو چیزوں پر ہے علم صحیح اور عمل صالح۔

یہ دونوں چیزیں انسانیت کے بنیادی جوہر ہیں اور ان دونوں کی موت درحقیقت انسانیت کی موت ہے، جو حضرات علم و عمل کے جامع اور انسانیت کے اعلیٰ نمونہ ہیں، ان کے بتدریج اٹھتے چلے جانے سے یہ دونوں چیزیں اٹھتی جا رہی ہیں اور انسانیت بتدریج دم توڑ رہی ہے، کسی زمانے میں کافروں سے جو اخلاقی نمونے دیکھنے میں آتے تھے، اب وہ مسلمانوں میں بھی بمشکل نظر آتے ہیں، نصف صدی پہلے کے فاسق و فاجر جس بلندیٰ کردار کا مظاہرہ کرتے تھے وہ آج کے بہت سے صالحین میں مفقود ہے اور کچھ عرصہ پہلے کے اُمی اور جاہل خدا ترسی

ودین شعاری کا جو نمونہ پیش کرتے تھے وہ آج کے اہل علم و دانش کے یہاں عنقا ہے، جس طرح انسانوں کی جسمانی صحت نسلاً بعد نسل کمزور ہوتی جا رہی ہے اسی طرح اخلاقی صحت بھی دن بدن رو بہ زوال ہے، آج کل عام طور پر انسان انسان نہیں، انسانیت کی چلتی پھرتی لاشیں ہیں، جو حیات مستعار کا بار کندھوں پر اٹھاتے پھر رہی ہیں اور فضائے بسیط کو اپنے تعفن سے مسموم کر رہی ہے:

نیستند آدم خلاف آدم اند
ایں بہائم درغلاف آدم اند

اجل مسمی (موت) کا ہاتھ انسانیت کے دسترخوان سے قیمتی دانوں کو بتدریج اٹھاتا جا رہا ہے اور اب انسانیت کے ڈھیر میں خال خال حضرات ایسے نظر آتے ہیں جو انسانیت کے اخلاقی جوہر کے امین ہوں، جن کے سیرت و کردار کو دیکھ کر انسانی سیرت کی نوک پلک درست کی جائے۔
ان اکابر کے سانحہ ارتحال کا ایک المناک پہلو یہ ہے کہ امت ان فیوض و برکات سے محروم ہو جاتی ہے جن کا تعلق ان کی ذات سے ہوتا ہے، ان کی دعائے نیم شبی، بارگاہ خداوندی میں ان کی گریہ و زاری، پوری امت کے لئے ان کا سراپا سوز و گداز، صلاح امت کی فکر اور لگن یہ چیزیں ان کی ذات ہی کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہیں اور امت کے لئے اس نقصان کی کوئی تلافی ناممکن ہو جاتی ہے۔

علاوہ ازیں ہر بزرگ کے ساتھ تعلق مع اللہ کی ایک نسبت قائم ہوتی ہے، جو امت میں قبول حق کی ایک خاص استعداد پیدا کرتی ہے، اس نسبت کے ختم ہو جانے کے بعد قبول حق کی استعداد کا رنگ وہ نہیں رہتا ہے جو پہلے تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی صحبت و معیت کی وجہ سے ایمان و یقین کا جو نقشہ تھا، نزول وحی کے مشاہدہ سے جو کیفیت حاصل ہوتی

تھی، جبرئیل علیہ السلام کی آمد سے جو ملکوتی اثرات قلوب پر نازل ہوتے تھے اور اس کی وجہ سے تعلق مع اللہ کی جو نسبت قائم ہوتی تھی، دورِ نبوت کے بعد اسے آخر کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے! اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وما نفضلنا ایدینا من التراب إلا أنکفنا قلوبنا.

(ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ہم ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ بھی نہ ہو پائے تھے کہ ہمارے قلوب کی وہ کیفیت باقی نہ رہی۔

غروب آفتاب کے بعد آپ روشنی کے ہزاروں وسائل جمع کر لیں، مگر وہ روشنی اور حرارت جو وجود آفتاب سے حاصل ہوتی ہے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی، اسی طرح خلافت راشدہ کے چاروں ادوار میں نسبت مع اللہ کا رنگ بدلتا رہا، دور صدیقی کی برکات کبھی واپس نہ آسکیں، نہ دور فاروقی کی نسبت کو واپس لیا جاسکا۔

فرض کیجئے ایک مکان میں بے شمار قیمتی روشن ہیں، جو اپنی تابانی اور ضیاء پاشی میں مختلف ہیں، اگر ان کو یکے بعد دیگرے گل کر دیا جائے تو تدریجاً روشنی مدہم ہوتے ہوئے یکسر ختم ہو جائے گی اور پورے ماحول پر تاریکی کے مہیب سائے منڈلانے لگیں گے، اسی طرح اہل اللہ کا وجود اس کائنات کے لئے رشد و ہدایت کی قدیل ہے، جوں جوں اہل اللہ اس عالم سے روپوش ہوتے جا رہے ہیں ہدایت کا نور مدہم پڑتا جا رہا ہے اور آہستہ آہستہ یہ کائنات کفر و ضلالت کی تاریکیوں کی لپیٹ میں آتی جا رہی ہے اور قلوب سے نور یقین مٹتا جا رہا ہے اور جب رشد و ہدایت کی ایک بھی شمع باقی نہیں رہے گی اور ہر چہار جانب سے تاریکی چھا جائے گی تو اس عالم کی بساط کو لپیٹ دیا جائے، ارشاد نبوی ہے:

لا تقوم الساعة حتى لا يقال في الأرض الله! الله!.

(مسلم، کتاب الایمان)

لا تقوم الساعة الا على شرار الخلق.

(مسلم، کتاب الامارة)

قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا ہے۔

قیامت اس وقت قائم ہوگی جب کہ صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مقصود صرف یاس اور حسرت کے آنسو بہانا نہیں بلکہ اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ جتنے با خدا بزرگ موجود ہیں ان کے وجود کو غنیمت سمجھ کر زیادہ سے زیادہ استفادہ کی کوشش کی جائے، افسوس ہے کہ دنیا میں فتنوں پر فتنے بڑھتے جا رہے ہیں اور جن حضرات کا وجود ان فتنوں کے لئے سدا رہا تھا وہ بتدریج اٹھتے جا رہے ہیں۔

حق تعالیٰ کے مقبول بندوں کو مرنے کا غم نہیں، وہ تو مرنے کی خوشی میں جیتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

تحفة المؤمن الموت. (مشکوٰۃ، کتاب الجنائز)

مومن کا تحفہ موت ہے۔

ان کی زندگی کا ایک ایک دن موت کے انتظار میں کٹتا ہے، موت کا دن ان کے لئے فرح و انبساط اور خوشی اور مسرت کا دن ہوتا ہے؟ ان کے نزدیک موت ہی وہ پل جسے عبور کر کے وہ اپنے محبوب حقیقی تک پہنچ سکتے ہیں، وہ اسی مقصد کے لئے جیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الکيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها

وتمنى على الله الأمانی. (مشکوٰۃ، کتاب الرقاق)

دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے
 تیاری کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے دوڑائے اور اللہ
 پر جھوٹی آرزوئیں باندھے۔

وصلی اللہ علی صفوة البریة سید الکائنات وخاتم النبیین محمد وآلہ
 وأصحابہ أجمعین.

[شوال المکرم ۱۳۹۰ھ - دسمبر ۱۹۷۰ء]



مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

۲۲ صفر ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۱/۱۲ اپریل ۱۹۷۱ء بروز بدھ علمی و دینی دنیا کو ایک عظیم سانحہ پیش آیا، اس دن ظہر کے بعد چار بجے فون پر اطلاع ملی کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری ۲/۱۲ بج کر بیس منٹ پر ملتان میں داخل بحق ہو گئے:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

حضرت مولانا جالندھری مرحوم دور حاضر کے علماء دین میں بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، عالم، عاقل، مدبر، ذکی، مجاہد، جفاکش، متواضع، باوقار اور انتھک جدوجہد کرنے والے انسان تھے، ان تمام علمی و دینی کمالات کے ساتھ نہایت منکسر المزاج اور خاموش طبع لیکن بے مثل مقرر اور پرجوش خطیب تھے، جب کسی جلسہ گاہ کے اسٹیج پر تقریر شروع کرتے تو معلوم ہوتا کہ خاموش سمندر کی موجوں میں یکا یک ہلاکا تلاطم شروع ہو گیا، تقریر نہایت مدلل و مؤثر ہوتی، موضوع سے باہر کبھی نہ جاتے، مخاطبین و سامعین کو سمجھانے کی فوق العادہ قوت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی، ٹھوس علمی مسائل کی تشریح اور مثالوں سے ذہن نشین کرانے میں اپنے عصر میں بے نظیر تھے، اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کے جائز، ردِ قادیانیت کے امام اور رفض و تشیع اور بدعت والحاد کی تردید میں یکتا تھے، چار چار گھنٹے بے تکان بولتے تھے اور عوام و خواص میں یکساں مقبول تھے۔

مرحوم نے نصف صدی سے زیادہ بیش بہا دینی، علمی اور سیاسی خدمات انجام دیں،

عرصہ دراز تک امام الخطباء حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق کار رہے اور اس سے پہلے عرصہ تک حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے خیر المدارس میں دست راست رہے، ملتان میں مرکزی دفتر ختم نبوت کی ایک لاکھ کی شاندار عمارت یادگار چھوڑی جو دعوت و ارشاد کا مرکز اور مبلغین ختم نبوت کی تربیت گاہ ہے، اس کے علاوہ مغربی پاکستان میں ختم نبوت کے مراکز قائم کئے اور ان میں دفتر، ٹیلیفون اور مبلغین کا انتظام کیا۔

مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فارغ التحصیل امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے شاگرد تھے اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔ یاد پڑتا ہے کہ تیس سال قبل لاہور کی ایک کانفرنس میں جو جناب محمود خاں لغاری کی کوشش سے ہو رہی تھی مولانا مرحوم کی تقریر پہلی بار سنی اور وہیں حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سنی تھی، پاکستان بننے کے بعد مختلف مجالس میں اور مجلس ختم نبوت کی شوری کے متعدد اجتماعات میں انہیں نہایت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، بلاشبہ ان کی وفات موجودہ وقت میں جبکہ سرپر قادیانیت والحاد کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، امت اسلامیہ اور مسلمانان پاکستان کے لئے بڑا دردناک سانحہ ہے:

مصائب شقی جمعت فی مصیبة

ولم یکفها حتی قفتها مصائب

آپ کی موت کے حادثہ میں کئی مصیبتیں جمع ہو گئیں ہیں اور اس کے بعد تو گویا

لگاتار مصائب پر مصائب شروع ہو گئے۔

حق تعالیٰ کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے، علمی و دینی دور ختم ہوتا جا رہا ہے اور جہل و بے دینی کا دور بڑی سرعت سے آ رہا ہے، فالی اللہ المشتکی۔ حق تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و رضوان کے

اعلیٰ مقام پر فائز فرما کر جنت الفردوس نصیب فرمائے، ان کی تمام زلات و سیات معاف فرمائے اور جدید نسل اور ان کے اخلاف کو ان کی جانشینی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ]

مولانا خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ میں جناب مولانا خدا بخش صاحب ملتانی واصلِ بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم حق گو، مخلص عالم تھے، سادہ لباس، سادہ مزاج لیکن پختہ دماغ، پختہ علم تھے، مہمان نواز، عمدہ مقرر، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے عشاق و عقیدت مندوں میں تھے، حق تعالیٰ مرحوم کو درجاتِ عالیہ سے جنت الفردوس سے سرفراز فرمائے۔



مولانا سید محمود احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ میں جناب مولانا سید محمود احمد صاحب مدنی کا وصال ہوا، جو قافلہ ٹھیک ۷۵ سال قبل فیض آباد ہندوستان سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے پہنچا تھا، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمہ اللہ کے والدین اور بھائی، اس کا روانہ کا یہ آخری مسافر تھا جو آخرت کے سفر پر روانہ ہوا، عقل و تدبر، متانت و وقار و سنجیدگی میں بے نظیر تھے، حسن اخلاق و کرم نفس و تواضع کا کمال مرحوم کو وراثت میں ملا تھا، جس طرح حضرت مدنی رحمہ اللہ اخلاق و مجاہدات میں، علم و فضل میں، میدان سیاست کی شہسواری میں ممتاز تھے اور جس طرح حضرت مولانا مدنی کے بڑے بھائی حضرت سید احمد بانی ”المدرسة الشرعية ليتامى بلدة خير البرية“ اپنی باطنی نسبت و بزرگی میں اور توجہ قلبی میں ممتاز تھے، اسی طرح ان دونوں کے یہ برادر خورد مولانا سید محمود احمد صاحب اپنی ذہانت و انتظامی معاملات، حسن سلیقہ و تواضع میں ممتاز تھے، مرحوم عالم تھے، ادیب تھے اور عربی کے شاعر بھی تھے، تحصیل علوم مدینہ طیبہ میں کی تھی، ۸ سال کی عمر میں مدینہ پہنچے تھے، ۷۵ سال قیام کے بعد بعمر ۸۳ سال واصل بحق ہوئے، مرحوم کے جانشین و یادگار جناب مولانا سید حبیب احمد صاحب ہیں، جو اپنے والد محترم کے کمالات کے صحیح وارث ہیں اور مدینہ طیبہ کے نائب امیر ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت و رحمت و رضوان میں آسودگی نصیب فرمائے، آمین۔

مولانا محمد عثمان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

گزشتہ ماہ یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۷۱ء کو ہمارے ایک محبوب، جوان صالح، سراپا اخلاص عالم، برادر مولانا محمد عثمان صاحب ہزاروی کا حادثہ وفات پیش آیا، مرحوم دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے شرف بیعت بھی حاصل کیا اس طرح علم و عرفان کی دونوں نسبتیں حضرت مدنی سے نصیب ہوئیں، حضرت مدنی کے کسی خلیفہ مجاز سے شرف اجازت بھی حاصل ہوا، اسی زمانہ میں کراچی آئے ان دنوں ہمارے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کا ابتدائی دور تھا، تربیت و تکمیل کا درجہ کھولا تھا، فارغ التحصیل حضرات کو حجۃ اللہ البالغہ، مقدمہ ابن خلدون، اتقان اور علوم قرآنی کی مشکلات کا درس دیا جاتا تھا، علاوہ ازیں فقہ مذاہب اربعہ کی تحقیق ابن رشد کی ہدایۃ المجتہد کا مطالعہ، تاریخ ادب عربی، ادب کی کتابت و خطابت کی تمرین وغیرہ مضامین تھے، مرحوم نے باقاعدہ طور پر یہ مرحلہ بھی طے کیا، کچھ عرصہ بعد مدرسہ فرقانیہ راولپنڈی کے صدر مدرس و شیخ الحدیث اور ایک جامع مسجد کے خطیب ہوئے اور چند دن بعد اسلام آباد میں مدارس تعلیم القرآن جو برادر محترم اختر حسن صاحب (وزارت داخلہ کے سیکشن افسر) کی جدوجہد سے وجود میں آئے تھے، ان کی نگرانی و اہتمام کے فرائض بلا معاوضہ انجام دینے لگے، مزاج میں سادگی، تواضع، مسکنت، اصلاح و تقویٰ اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے، طبیعت کا معصومانہ انداز، بھولے پن کے ساتھ وقار اور غناء قلبی

قابلِ رشک تھا، کراچی کی حاضری کا سالانہ معمول تھا، افسوس ہے کہ عصرِ حاضر کے علماء اور خصوصاً نوجوان اہل علم میں یہ خصوصیت بہت کم نظر آتی ہیں، کسی عربی شاعر نے ٹھیک کہا ہے:

الموت نقاد علی کفہ
جواہر یختار منها النقاد

موت کی مثال اس جوہری کی ہے جس کے ہاتھ میں جواہرات ہوں جو عمدہ ہو
اس کو چن لیتا ہے۔

برادرِ مرحوم سے ان کے خصائص و اخلاص کی وجہ سے کچھ قلبی ربط ایسا پیدا ہو گیا تھا کہ ہر وقت وہ سامنے رہتے تھے اور اب بھی اکثر ان کی یاد قائم رہتی ہے بلکہ ستاتی ہے:

اے ہم نفسان محفل ما
رفتید ولے نہ از دل ما

حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر رحمت و رضوان کے اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے۔



شیخ محمد نصیف رحمۃ اللہ علیہ

اوائل رجب ۱۳۹۱ھ میں سرزمین حجاز کے ایک ممتاز و وجیہ عالم اور عربی النسل رئیس الشیخ محمد نصیف کا جدہ میں انتقال ہوا، مرحوم جدہ کے قدیم ترین باشندے تھے، ان کے آباؤ اجداد عہد عثمانی میں بہت معزز تھے، حبشہ سے جو سیاہ فام منٹ غلام درآمد کئے جاتے تھے اور عہد عثمانی میں حرم سرا کی خدمت یا حرمین شریفین کی خدمات کے لئے جن کو منتخب کیا جاتا تھا جنہیں خواجہ سرا یا عامی عربی میں اغوات - آغا کی جمع - کہا جاتا ہے، ان کی دینی تعلیم و تربیت اور آداب خدمت آموزی کا فریضہ اسی خاندان کے سپرد تھا، اسی وجہ سے سلاطین آل عثمان کے ہاں ان کے اسلاف کی بڑی عزت تھی، سعودی حکومت کے پہلے فرمانروا ملک عبدالعزیز مرحوم کے بھی ان سے برادرانہ تعلقات تھے، جدہ میں جب تک سرکاری عمارات نہیں بنی تھیں، شاہ عبدالعزیز مرحوم انہی کے مہمان ہوتے تھے، شاہ سعود بن عبدالعزیز سے بھی یہی تعلق رہا اور حجاز و نجد کے موجودہ حکمران شاہ فیصل سے بھی خوشگوار تعلقات تھے۔

مرحوم انتہائی کریم النفس اور بااخلاق عالم تھے، جو دوسخا کا پیکر، متانت و رزانت کا مجسمہ، دراز قامت، خوب رو، دو ہر بدن، باوقار شخصیت، جاذب نظر صورت، شگفتہ مزاج، خوش اخلاق اور خوش پوش۔

ایک عظیم الشان کتب خانے کے مالک تھے جس میں سولہ ہزار کتابیں جمع تھیں، قلمی

نوادرات کا بھی بڑا ذخیرہ تھا، مطالعہ سے عشق اور کتابوں کی عمدہ سے عمدہ جلد بندی کا خصوصی ذوق تھا، مراکش سے انڈونیشیا تک کے اہل علم سے روابط و تعلقات تھے، موسم حج میں ان کا دولت خانہ اس علم کا مہمان خانہ بن جاتا تھا۔

اصل سے شافعی المذہب تھے، لیکن حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سبھی قسم کے اساتذہ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اس لئے مذہبی تعصب سے بالا تر تھے، حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ کے شیدائی تھے، آخر میں سلفی مسلک کے ہو گئے تھے، علم و عقل اور وجاہت و ریاست کے باوجود شان و تکبر سے دور تھے اور مزاج میں انتہائی شگفتگی تھی، ہر قوم کے لطائف سنایا کرتے تھے، انہیں دیکھ کر عرب علماء اور عرب اسخیا کی یاد تازہ ہوتی تھی، عمر اسی (۸۰) سے متجاوز تھی، مرحوم سے میرے روابط ۱۳۵۶ھ سے تھے، افسوس کہ تقریباً پینتیس سالہ ربط چشم زدن میں ختم ہوا۔

آنکھوں کے لئے آپریشن کے لئے لندن گئے تھے مگر آپریشن نہیں کرایا، دو ہفتہ بعد واپس لوٹ آئے، آتے ہوئے چند دن لبنان میں قیام رہا، حدہ واپس ہو کر ایک ہفتہ بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہو گئے۔ شاہ فیصل کے حکم سے ولی عہد نے جنازہ میں شرکت کی۔ حق تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و مغفرت سے سرفراز فرمائے اور درجات عالیہ سے نوازے۔ معلوم ہوا ہے کہ مرحوم کی وصیت کے مطابق ان کا عظیم الشان کتب خانہ جدہ کی جامعۃ عبدالعزیز الہلیہ میں منتقل ہوا ہے، اور ان کا ذاتی مکان ”بیت نصیف“ شاہ فیصل خریدنا چاہتے ہیں، ایک محترم نے جو مرحوم کے رشتہ دار ہیں لکھا ہے کہ شاید دے دیا جائے گا۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ - اکتوبر ۱۹۷۱ء]



مولانا محمد رسول خاں ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ میں حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب کی وفات سے درس و تدریس کی ایسی جامع ترین شخصیت کی جگہ خالی ہو گئی کہ آئندہ صدیوں میں بھی اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں، مرحوم معمر ترین بزرگ اور استاذ الکل عالم تھے، جن کی زندگی کے تقریباً اسی (۸۰) برس تعلیم و تدریس میں گزرے، جن میں پورے بیس سال تو دارالعلوم دیوبند کا عہد تدریس ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت تحصیل علم کے بعد مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں مدرس ہوئے، چند سالوں کے بعد دارالعلوم دیوبند کے اکابر و ارباب اہتمام کی خواہش پر دارالعلوم ہی میں مدرس مقرر ہوئے اور پہلا درس شرح وقایہ کا ہوا جس میں ان کا امتحان ہوا، اس درس میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحب رحمہ اللہ وغیرہ اکابر و اساتذہ سب شریک ہوئے، موصوف نے معرکہ کا درس دیا اور دارالعلوم میں ان کی شخصیت کی دھاک بیٹھ گئی۔ مرحوم کو حدیث میں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور معقولات کی آخری کتابیں اپنے ہم وطن حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی سے پڑھی تھیں اور انہی کتابوں میں وہ اپنے استاذ کے صحیح جانشین ہوئے، دارالعلوم کے آخری علمی دور میں اصول فقہ، معقول و فلسفہ کی انتہائی کتابیں قاضی مبارک، حمد اللہ، توضیح و تلویح، مسلم الثبوت،

صدر، شمس بازعہ جن دو بزرگوں کے درمیان دائر و سائر تھیں اور وہ بہ سبیلِ تناب انھیں پڑھایا کرتے، ان میں ایک حضرت مرحوم تھے اور دوسری شخصیت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کی تھی، جو ان علوم و فنون کے امام تھے، آخری چار کتابوں میں دونوں بزرگوں سے راقم الحروف کو شرفِ تلمذ حاصل ہے، مرحوم درسیات کے محقق عالم تھے، مقبول و منقول دونوں کے بہترین مدرس تھے، حسنِ تعبیر پر بڑی قدرت حاصل تھی لیکن تعبیرات معقولات طرز کی ہوتی تھیں، بات نہایت متبحر فرمایا کرتے تھے، خوب صورت، خوش پوش، خوش لقاء، متواضع باوقار بزرگ تھے، آخر تک تمام خصوصیات قائم رہیں، تقریباً چالیس سال کا عرصہ لاہور میں گزارا، چند سال اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم مشرقی میں ”مولوی فاضل“ کی کتابیں پڑھائیں، آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام رہا، دورِ حاضر کوئی عالم ایسا نہیں ہوگا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کا شاگرد نہ ہو، ضلع ہزارہ کی تحصیل ”بفہ“ میں ایک گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام اچھڑیاں ہے، حضرت مولانا غلام رسول صاحب بھی اسی علاقہ ہفہ کے باشندے تھے جو معقولات میں آپ کے استاذ تھے، ویسے تو سب ہی جانے کے لئے آتے ہیں لیکن صدمہ اس کا ہے کہ آئندہ جو دور آ رہا ہے اس میں ایسی باکمال شخصیتوں کے کمالات کا ادراک بھی نہیں ہو سکے گا، آپ کی وفات سے ہندوپاک کی ایک صدی کی علمی تاریخ کی بساط الٹ گئی، آپ کی رحلت علم و تقویٰ، درس و تدریس، حسن اداء، تواضع و وقار سنجیدگی و متانت وغیرہ کمالات کی رحلت ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ حضرت استاذ مرحوم کو جنت الفردوس میں درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے، آمین۔

اللهم اغفر له وارحمه واراض عنه وعامله معاملة الأبرار والصالحين من

عبادك الأخيار بفضلك وكرمك يا عزيز يا غفار آمين يا رب العلمين.



مولانا حکیم سید عبدالجبار حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ رمضان المبارک کی پندرھویں تاریخ کو ہمارے دوست و مخلص طبیب، صالح و متواضع باخدا ہستی مولانا سید عبدالجبار صاحب حیدر آبادی کا انتقال ہوا، مرحوم سراپا شفقت و تواضع تھے، علماء و طلبہ کو مفت دوائیں دیا کرتے تھے اور مفت علاج فرمایا کرتے تھے، ریڈیو پر ان کا درس قرآن اور مضامین و مقالات سب ہی عوام سے قبولیت کا خراج تحسین حاصل کر چکے تھے، بعارضہ قلب وفات ہوئی۔ حق تعالیٰ مرحوم کے اخلاص و پاکیزہ زندگی کا اجر عظیم عطا فرمائے اور مغفرت و رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائے، آمین۔



مولانا عرض محمد بلوچستانی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ رمضان المبارک میں ہمارے دوست بلوچستان کے مجاہد عالم اور صلح اور مخلص حق گو، جری رہنما، مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ کے بانی اور مہتمم حضرت مولانا عرض محمد صاحب ریلوے لائن پر تصادم سے شہید ہوئے، ان اللہ۔ عرصہ سے بیمار تھے، ضیق النفس وغیرہ امراض کا شکار تھے، موسم سرما گزرنے کے لئے سب آئے تھے، صبح ہوا خوری کی غرض سے باہر گئے، کچھ دماغی دورہ سا پڑا، احساس نہ ہو سکا، ریلوے لائن عبور کر رہے تھے کہ ایک انجن نے آ کر ان کو شہید کر دیا اور جان آفرین کو اپنی جان عزیز سپرد کر کے واصل بحق ہو گئے اور اس طرح یہ دردناک واقعہ شہادت پیش آیا جو مرحوم کے لئے علودرجات کا ان شاء اللہ تعالیٰ بہترین وسیلہ ہوگا۔

رضی اللہ عنہ وارضاه جعل الجنة متقلبه ومثواه، آمین۔



مولانا محمد خلیل انگوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ شعبان ۱۳۹۱ھ کے آخری عشرہ میں ۱۲/ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو مولانا محمد خلیل صاحب انگوی کا انتقال ہوا، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کی وفات کے بعد سند فراغت حاصل کی تھی اور حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا، خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان سے روحانی بیعت کا تعلق قائم تھا، مظہر العلوم کھڈہ (کراچی) وزیر آباد (پنجاب) سجاول (سندھ) جامعہ قادریہ رحیم یار خاں (بہاولپور) جامعہ محمدیہ (جھنگ) کے مختلف علمی درس گاہوں میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک مختلف علوم دینیہ کی خدمت تدریس انجام دی، فرق باطلہ کی تردید خصوصاً مرزائیت و قادیانیت کی تردید میں شمشیر بے نیام تھے، مختلف امراض میں آخر عمر میں گرفتار ہو گئے، نشتر ہسپتال ملتان میں زیر علاج تھے، یہیں انتقال ہوا، مرحوم ایک سنجیدہ، بااخلاق، خاموش و باوقار عالم، خوب صورت، خوش سیرت انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت اور رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائے، آمین۔

حریفان بادہ ہا خوردند و رفتند
تھی خم خانہا کردند و رفتند

کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

[شوال ۱۳۹۱ھ - دسمبر ۱۹۷۱ء]

مولانا حافظ حکیم عبدالمجید لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ

گزشتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کی ۲۶ اور فروری ۱۹۷۲ء کی ۱۲ تاریخ کو پاکستان ایک عالم ربانی سے محروم ہوا، مولانا حافظ حکیم عبدالمجید صاحب لائل پوری نابینا کی وفات ہوئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

مرحوم نے باوجود بصارت کے نہ ہونے کے نہایت التزام کے ساتھ تمام درس نظامی کی کتابوں سے فراغت پائی اور ہمیشہ اپنے حلقہ درس میں ممتاز رہے اور اکثر اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے، حق تعالیٰ نے بصارت کی نعمت کی جگہ تمام علوم اسلامیہ عربیہ میں بصیرت عطا فرمائی تھی۔ علوم اسلامیہ کے فاضل تھے، انگریزی کے گریجویٹ تھے، حاذق طبیب تھے، عمدہ خطیب اور کامیاب مناظر تھے، ردقادیانیت میں ممتاز تھے، علم و علماء اور علمی کتابوں کے محب صادق تھے، سنجیدہ، باوقار، قدیم و جدید کے مجمع البحرین تھے، ان سب کمالات کے ساتھ اخلاص کی نعمت سے سرفراز تھے، الغرض بڑی خوبیوں کے مالک تھے، بینائی کی معذوری کی وجہ سے طالب علمی میں ایک معاون رفیق طالب علم کو ساتھ رکھتے تھے اور اس کے مصارف بھی برداشت کرتے تھے، ابتدائی کتابیں غالباً اپنے وطن میں پڑھیں، پھر دیوبند پہنچے اور دارالعلوم کے فیض سے سیراب ہوئے، ادب کی ایک کتاب میں ۴۷ سال قبل میرے ہم درس بھی رہے اور اتفاق سے اس کتاب کے ایک امتحان میں ۱۰۵ طلبہ میں ہم دونوں ممتاز ترین نمبروں سے ایک درجہ

میں کامیاب ہوئے اور پورے نمبروں سے ۵ نمبر زائد ملے، یہ وہ دور تھا کہ ایک سال بعد امام العصر حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ دارالعلوم کے عہدہ صدارت سے مستعفی ہو گئے تھے اور ڈابھیل ضلع سورت میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین قائم ہوا اور وہاں تشریف لے گئے تھے، مجھ سے ایک سال بعد حضرت امام العصر رحمہ اللہ کی خدمت میں درس صحیح بخاری شریف کا فیض حاصل کیا اور حدیث کی بقیہ کتابیں وہیں ڈابھیل میں پڑھیں، ان کے مفاخر کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ امام العصر رحمہ اللہ کے درس میں یہ طریقہ تھا (اور عام طور سے عربی مدارس میں یہی طریقہ ہے) کہ جو شخص پہلے بسم اللہ پڑھے گا وہی استاذ کے سامنے اس دن پڑھے گا، ایک دن حافظ صاحب نے بسم اللہ کی، حضرت شیخ یہ سمجھے کہ شاید کسی اور کے لئے باری حاصل کرنے کے لئے یہ سبقت کی ہوگی، مگر جب پڑھنے کا وقت آیا تو حفظ سے عبارت پڑھنا شروع کی اور کہا ”حدثنا“ حضرت شیخ نے نہایت مسرور ہو کر فوراً فرمایا ”مرحبا“۔ اس روز غالباً صحیح بخاری کی ”کتاب العلم“ شروع تھی اور حسب معمول روزانہ درس بخاری شریف کا ورق ڈیڑھ ورق سبق ہوتا تھا، حافظ صاحب مرحوم نے بغیر کسی جھجک کے اس دن کے سبق کی پوری عبارت پڑھی، گویا کتاب سامنے رکھ کر پڑھ رہے ہیں، نہ حافظ صاحب مرحوم سے کسی ایک لفظ میں غلطی ہوئی نہ سبق اس مقام تک پہنچ سکا جہاں تک حافظ صاحب نے رات کو یاد نہ کیا ہو۔ آج تک یہ معمہ حل نہ ہو سکا کہ حافظ صاحب نے اس ایک رات میں کتنا حصہ صحیح بخاری شریف کا یاد کیا تھا۔ ان کے ”حدثنا“ اور حضرت شیخ کی ”مرحبا“ کی آوازاں تک میرے کانوں میں گویا گونج رہی ہے، اس سال میں حضرت شیخ کے ساتھ سفر کشمیر سے واپسی پر دوبارہ ڈابھیل پہنچا تھا اور کتاب الایمان اور کتاب العلم صحیح بخاری کا درس شیخ سنا اور پھر وطن چلا آیا تھا۔

عام طور سے جن حضرات کو بصارت سے محرومی ہوتی ہے، حق تعالیٰ ان کو قوت حافظہ اور

بصیرت زیادہ عطا فرمادیتا ہے، حافظ صاحب مرحوم کو قوت حفظ اور قلبی بصیرت میں زیادہ خصوصیت عطا فرمائی تھی، میں اس واقعہ کے ذکر سے ان کا حق رفاقت ادا کرنا چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور رضوان و رحمت سے سرفراز فرمائے اور ان کی علمی خدمات اور دینی جذبے کا اپنے لطف بے انتہا کے مطابق صلہ عطا فرمائے۔

آمین یا أرحم الراحمین۔

وصلی اللہ علی سید العالمین وخاتم النبیین وامام المتقین محمد وعلی آلہ
وصحبہ أجمعین۔

[صفر المظفر ۱۳۹۲ھ - اپریل ۱۹۷۲ء]



مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۲۰ صفر ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۵ اپریل ۱۹۷۲ء کو حضرت مولانا فخر الدین احمد طویل علالت کے بعد مراد آباد میں وفات پا گئے، ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

افسوس کہ مسلمانان ہند اور علماء اسلام کا ایک درخشندہ تارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے اور عصر حاضر کے جلیل القدر محدث، محقق عالم اور باخدا بزرگ تھے، دارالعلوم دیوبند کے اکابر مشائخ اور مسند صدارت حدیث کے ممتاز افراد جن کا سلسلہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوا تھا وہ سلسلہ حضرت مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ پر بظاہر ختم ہو گیا، کامل ایک صدی میں علوم نبوت کے آفتاب و ماہتاب جن سے دارالعلوم کی چار دیواری میں بلکہ تمام عالم اسلام میں علم کی شعاعیں پہنچتی رہیں آپ اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے اور اب تک اکابر دیوبند اور خصوصاً مسند شیخت حدیث پر جو حضرات متمکن تھے علم و معرفت کے دونوں چشموں سے سیراب تھے اور ظاہر و باطن دونوں نسبتوں کے حامل تھے، موصوف اس حلقہ کے آخری فرد تھے، اب ایسی شخصیت جو اس مسند کو زینت دے ہماری نظروں میں نہیں۔

موصوف نے ۱۳۲۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

دونوں سے فیض حاصل کیا اور دونوں چشموں سے سیرابی نصیب ہوئی، سنجیدگی، وقار، متانت و رزانت، ظاہری سطح میں سکون اور باطنی گہرائیوں میں جوش و خروش کی نعمتوں سے مالا مال تھے، خوش رو، خوش پوش، خفیف الروح، لطیف الجسد تھے، غالباً چوبیس برس پہلے مدینہ طیبہ میں پہلی مرتبہ حضرت مولانا عبدالحق مدنی مرحوم کے مکان پر شرف ملاقات نصیب ہوا تھا، یہ ملاقات پہلی بھی تھی اور آخری بھی، پھر غائبانہ موصوف کے مفاخر و ماثر کا حال معلوم ہوتا رہا، اکابر محمد شین اور ممتاز اکابر مدرسین کا نمونہ تھے، جن کی زندگی کے پورے باسٹھ سال درس و تدریس میں گزرے، درس حدیث میں حافظ بدرالدین عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ کے علوم کا نچوڑ اپنی تقریر میں پیش کرتے تھے اور حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خصائص کی جھلکیاں نظر آتی تھیں، ان کی تالیف ”القول الفصیح فی نضد ابواب الصحیح“ تو قدو ذکاء کا ایک عمدہ نمونہ ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قیامت کے قرب کے علامات سے جہاں اور مختلف فتنے سرعت سے ظاہر ہو رہے ہیں، وہاں علمی انحطاط کی رفتار ان سے بھی زیادہ سرلج ہے، ان اکابر کے قافلے نہایت تیزی سے سفر آخرت پر روانہ ہو رہے اور علمی مراکز ویران ہوتے جا رہے ہیں۔

نہ جانے آج تک یہ جانے والے ہیں کہاں جاتے

کھلی ہیں جب سے آنکھیں دیکھتے ہیں کارواں جاتے^(۱)

غفر الله له ورحمه رحمة الأبرار الصالحين وحشره في زمر العلماء

الربانيين.



(۱) (أى تفصيلاً وتعييناً، واما اجمالاً فنعلم أنهم يروحون اما إلى الجنة واما إلى النار۔ مدیر)

وفات اہلیہ محترمہ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ

آج پانچواں دن ہے کہ یوم چہار شنبہ ۲/ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹/اپریل ۱۹۷۲ء بوقت تین بجے شام ”بصائر وعبیر“ کے خامہ فرسائی کرنے والے بنوری کی اہلیہ شدید علالت کے بعد داغ مفارقت دے کر سفر آخرت پر روانہ ہو گئی:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

رات کے ۸ بجے عشاء سے قبل جمعیت پنجابی سوداگران کے قبرستان میں (مقام یوسف پورہ کراچی) سپرد خاک ہوئی، پشاور کے عزیزوں سے لے کر جنوبی افریقہ کے احباب و مخلصین کے تعزیتی پیغامات بذریعہ تار موصول ہو رہے ہیں، سب کا شکر گزار ہوں جزاھم اللہ احسن الجزاء اور بصائر وعبیر کے قارئین کرام سے دعا مغفرت اور بقدر فرصت و ہمت ایصال ثواب کا امیدوار ہوں، اِن اللہ لا یضیع أجر المحسنین۔

درس سرائے بہار و خزاں بہم آغوش است

زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

مرحومہ کے حق میں ارحم الراحمین کی بارگاہ رحمت میں رحمۃ للعالمین کی زبان میں یوں

نواسخ ہوں:

اللھم هذه أمتك و بنت أمتك و عبدك تشهد أن لا إله إلا أنت وحدك

لا شريك لك وتشهد أن محمداً عبدك ورسولك، اصحبت فقير الى رحمتك
وأصبحت (وانت) غنياً عن عذابها تحلت عن الدنيا وأهلها ان كانت
زاكية فزكها وان كانت مخطئة فاغفر لها وادخلها الجنة وأعدها من
عذاب القبر وعذاب النار اللهم لا تحرمنا اجرها ولا تضلنا بعدها وصلي
الله على صفوة البرية سيد الشاكرين وسيد الصابرين امام المتقين وخاتم
النبيين وعلى آله وأزواجه وذريته وأصحابه أجمعين.

[ربيع الثاني ١٣٩٢ هـ - جون ١٩٧٢ء]



مولانا حبیب اللہ گمانی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مراد آبادی رحمہ اللہ کی وفات کا صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ حضرت مولانا حبیب اللہ گمانی بہاول پوری کے صدمہ وفات نے آنکھوں کو از سر نو اشکبار اور دل کو بے قرار بنا دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہندوستان کا ایک علمی ستارہ غروب ہوا، یہی تھا کہ پاکستان کا ایک درخشندہ کوکب بھی غروب ہو گیا اور اس طرح علمی انوار کے غائب ہو جانے کی وجہ سے دونوں ملکوں میں اندھرا چھانے لگا۔

حضرت مولانا حبیب اللہ گمانی زہد و تقویٰ کے پیکر تھے، تواضع و اخلاص کے مجسمہ تھے، سادہ مزاج، سادہ پوش، سادہ نوش با خدا بزرگ تھے، ایک عالم ربانی کی جو خصوصیات ہو سکتی ہیں ان کا بہترین مظہر تھے، دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فاضل تھے، حضرت استاذ امام العصر محدث کشمیری مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ میاں والی داں پھر ان کے ارشد خلفاء میں سے تھے، اپنے قصبہ گمانی میں ایک دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی تھی، اپنے گھر سے تمام طلبہ کے لئے روٹی سالن پکواتے اور مہمانان رسول کو کھلاتے تھے، پھر درس گاہ کے ابتدائی درجات کو وہیں چھوڑ کر علمی درس گاہ مدرسہ انوریہ کے نام سے (حضرت الاستاذ امام العصر کے نام پر) مقام طاہر والی بہاول پور میں قائم کی تھی جو علمی و اخلاقی تربیت میں ممتاز تھی، راقم الحروف کو چند لمحوں کے لئے حاضری کا اتفاق ہوا تھا، بارہا حج

بیت اللہ المحرام اور زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کیا اور وہاں کی تجلیات الہیہ اور نفحات نبویہ سے مالا مالا ہوئے تھے، اس مادی دنیا میں اور اس پر آشوب زمانہ میں ایسے باخدا درویش صفت بزرگ عالم کا وجود دنیا کے علم و عمل دونوں کے لئے سایہ رحمت ہوتا ہے، ان کا باوقار وجود، سراپا اخلاص، زہد و تواضع کی عظیم تمثال آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے، حب مال اور حب جاہ کا غالباً خطرہ بھی ان کے دل پر نہ گذرتا ہوگا اور ارباب قلوب کے لئے ان کی شخصیت اور با کمالات ہستی مقناطیس کا اثر رکھتی تھی۔

راقم الحروف جب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے بالکل ابتدائی دور میں غیر آباد مسجد کے گوشے میں درس صحیح بخاری دیا کرتا تھا تو مرحوم بارہا آتے اور درس میں بیٹھا کرتے تھے، اس زمانہ میں سوء اتفاق سے کوئی تعارف و تعلق نہ ہوسکا۔ عرصہ دراز کے بعد ایک دن تعارف کرایا اور درس صحیح بخاری میں تشریف لانے کا ذکر فرمایا گویا اس طرح راقم کا امتحان لیا گیا اور الحمد للہ کہ اپنے شیخ محترم کی جوتیوں کے صدقے اللہ تعالیٰ نے رسوا نہیں فرمایا۔ الغرض دور حاضر کے علماء کے امراض سے بالکل مبرا تھے اور علمی امراض بحث و جدال و مراد و ریاء سے بالاتر تھے، دو تین ماہ سے علیل تھے، ملتان کے نشتر ہسپتال میں زیر علاج رہے اور اپنے آبائی وطن گمانی میں واصل بحق ہوئے اور طاہر والی میں مدفون ہوئے۔ افسوس و صد افسوس کہ گلستانِ فضل کے یہ بار آور پودے اکھڑ رہے ہیں اور نئے پورے لگ نہیں رہے ہیں، اس طرح سفینہ علم کے یہ ملاح تیزی سے سفر آخرت پر جا رہے ہیں، یہ گلستان اجڑ رہا ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ:

”اتخذ الناس رؤوسا جهالا فافتوا بغير علم فضلوا وأضلوا“ کا زمانہ تیزی

سے آ رہا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالعزیز ساہیوال والے رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ اسی ماہ میں مولانا گمانی کے بعد مولانا عبدالعزیز صاحب ساہیوال والے انتقال فرما گئے، مرحوم حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے، تبلیغی سرگرمیوں بھی تعلق تھا، حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ کے تبلیغی قافلوں میں ایک سال کا وقت گزارا اور انہی قافلوں میں انگلستان کا سفر بھی کیا تھا۔

فرحمہ اللہ رحمۃ واسعة وأفاض علیہ من شأیب رحمته ورضوانہ.



مولانا عبد الجبار ابو ہر مندئی والے رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ میں ایک اور مخلص عالم مولانا عبد الجبار ابو ہر مندئی والے سفر آخرت پر چل بسے، مرحوم کو تعلیم بنات اور تربیت نسواں سے شغف تھا، چنانچہ چشتیاں ضلع بہاول نگر میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی ایک باقاعدہ منظم درس گاہ قائم کی تھی، سینکڑوں لڑکیاں زیر تعلیم تھیں اور بعض لڑکیاں درس نظامی کی کتابیں بھی پڑھتی تھیں ”من وراء حجاب“ ان کو تعلیم دی جاتی تھی، پھر اس درس گاہ کی ایک شاخ ملتان شہر میں قائم کی جو بہت کامیابی سے چل رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں ان نفوس طاہرہ پر جنہوں نے اپنے زندگیاں دینی تعلیم، دینی تبلیغ، دینی تربیت کے لئے وقف کیں۔

افسوس کہ علمی بستیاں اجڑ رہی ہیں اور ان کا ماتم کرنے والا بھی کوئی نہ رہا،

انا لله وانا اليه راجعون فرضی اللہ عنہ وارضاه وجعل الجنة متقلبه
ومثواه.

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ - جولائی ۱۹۷۲ء]



سید جلیل الرحمن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۰ ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ مطابق ۳ جون ۱۹۷۲ء یومِ شنبہ بوقتِ عصر حرکتِ قلب بند ہونے سے ہماری مجلسِ احباب کے ایک مخلص رکن سید جلیل الرحمن ہم سے جدا ہو گئے، اناللہ۔

موصوفِ دہلی کے مشہور ساداتِ خاندان کے چشم و چراغ تھے، شہرہ آفاق مطبعِ مجتہائی دہلی کے مالک سید عبدالاحد صاحبِ مرحوم کے پوتے تھے، اپنے اسلاف کی طرح کریمِ النفس، شریفِ الطبع، باوقار، سنجیدہ، مہمان نواز تھے، خوش پوش، خوش خوراک، خوش رو تھے، عبادت گزار، ذکر و شغل کے پابند، قابلِ رشک خشوع سے نماز پڑھنے والے تھے، حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ سے بیعت اور براہِ راست فیض یافتہ تھے، اس قحطِ الرجال کے دور میں ایسے بااخلاق، کریم الخصال مخلص کی جدائی سے جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے، مرحوم کی اہلیہ ۶ ماہ قبل داغِ مفارقت دے چکی تھیں، جس سے باوجود صبر و استقامت کے ان کا دل ہل چکا تھا اور یہی قلبی صدمہ جان لیوا ثابت ہوا، مرحوم کو دل کا دورہ ہوا تو اسی وقت راقم الحروف کو یاد کیا، چھوٹے صاحبزادے فوراً لینے کے لئے پہنچے، میں نمازِ عصر میں تھا، جب فارغ ہو کر وہاں پہنچا تو روحِ پرواز کر چکی تھی۔

حق تعالیٰ ان کی روح کو اپنی مغفرت و رحمت کی دولت سے مالا مال فرمائے اور پسماندگان اور احباب و اقربا کو صبرِ جمیل سے نوازے۔

افسوس کہ دو تین ماہ سے مسلسل بصائرِ و عبر کے صفحات ماتمِ سرائی کے لئے وقف ہو گئے ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو ایک عرصہ بینات کے ”بصائرِ و عبر“ ماتم ہی ماتم میں مشغول ہیں، کبھی ملک

ملت کی نوحہ خوانی کی جا رہی ہے، کبھی ملک و ملت کے افراد کی جدائی کی مرثیہ خوانی ہو رہی ہے، کبھی پاکستان کا مرثیہ، کبھی پاکستانیوں کا مرثیہ، گویا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سارا جہاں حزن و ملال کی داستان بن گیا ہے، باغ و بہار کا دور ختم ہوا اور اب خزاں کا موسم ہے، قصہ پارینہ کے بجائے آج عہدِ نو سے سینے کے داغ تازہ ہیں، ”قدس“، ”ہو کہ“ ”سویز“، ”عراق“، ”ہویا“ ”شام“، ”پاکستان“، ”ہو“ یا ”عربستان“، ہر طرف ماتم ہی ماتم ہے، گویا جہاں تمام ماتم کدہ بن گیا ہے، کسی نے خوب کہا ہے:

یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکان نہیں
جو یہاں مقیم تھے کل کے دن کہیں آج ان کا نشان نہیں
یہ سرائے دہر قیام ہے یہ رواروی کا مقام ہے
جسے یہ خیال ہے خام ہے جو ثبات چاہو تو یاں نہیں
یہ مدام موسم گل کہاں کرے کوئی کیا گلہ خزاں
یہ ستم ہے گردش آسماں بچے اس سے پیرو جواں نہیں
یہ ہر ایک قبر پہ بے کسی بزبان حال ہے کہہ رہی
تمہیں آنکھ چاہئے غافل! مجھے احتیاج بیاں نہیں
جو مثال طوطے خوش بیان دم گفتگو تھے گہر فشاں
وہ پڑے ہیں ایسے خموش یاں کہ دہن میں گویا زباں نہیں
یہ جہاں خلیل ہے بے بقا نہیں یاں بھروسہ حیات کا
وہ ہے کون باغ جہاں میں گل چلی جس پہ باد خزاں نہیں

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ - اگست ۱۹۷۲ء]



مولانا قاضی عبدالرب رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ مطابق اوآخر جون ۱۹۷۲ء میں ہمارے ایک مخلص صالح عالم جناب قاضی عبدالرب صاحب کا انتقال ہوا، موصوف زیارت کا صاحب علیہ الرحمۃ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور کے باشندے تھے، کریم النفس، سنجیدہ، باوقار اور تعلق و محبت میں نہایت وفادار بزرگ تھے، مزاج میں سادگی مسکنت اور تواضع تھی، معمولات کے نہایت پابند تھے، زندگی میں قانع تھے، ضیق النفس کے مرض میں عرصہ سے مبتلا تھے، مرض سے پہلے باوجود معمر ہونے کے جوان ہمت تھے، غالباً ۸۵ برس کی عمر پائی، پشاور میں وفات ہوئی اور اپنے آبائی گاؤں زیارت کا صاحب علیہ الرحمۃ میں حضرت کا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں مدفون ہوئے۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ جنت الفردوس میں نصیب فرمائے، آمین۔



مولانا حافظ حبیب اللہ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ میں مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب کی جو عارف باللہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے تھے، مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی۔

حرین شریفین کے مہاجر تھے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئے، غالباً تیس سال سے حرین میں مقیم تھے، زیادہ تر مدینہ طیبہ میں اقامت رہی، ابتداء مدرسہ علوم شرعیہ میں حسبہ اللہ تدریس کی خدمت بھی انجام دیتے رہے، چند سال جامع ترمذی بھی پڑھائی، آخر میں حرم مدینہ میں تفسیر ابن کثیر پڑھایا کرتے تھے۔

زندگی کے آخری چند سال مکہ مکرمہ میں بسر کئے، عابد و زاہد اور دنیا کی راحتوں سے بے نیاز تھے، نہایت خاموشی اور گمنامی کے ساتھ حرین شریفین کی زندگی بسر کی اور حرین شریفین کی برکات سے مالا مال ہوئے، جنت معلیٰ کے پرانوار مقبرہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان کی قبر اور جسد مبارک پر ہوں، آمین۔

مولانا عبدالرحیم اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

نہایت رنج و افسوس کے ساتھ یہ خبر درج کی جاتی ہے کہ ہمارے قابلِ قدر بزرگ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کے نوجوان و نو عمر صاحبزادے مولانا عبدالرحیم صاحب بعارضہ قلب پرسوں بروز چہار شنبہ ۵ رجب ۱۳۹۲ھ رخصت ہو گئے: اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نہایت خوش مزاج، خوش اخلاق، جواں صالح تھے، حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور پسماندگانِ اخوان کرام کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازے، آمین۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ - اکتوبر ۱۹۷۲ء]



حاجی ابراہیم میاں سملکی رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے ایک محترم اور معزز بزرگ جناب حاجی ابراہیم میاں صاحب سملکی (ضلع سورت) ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ یوم شنبہ کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے، ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سملک ڈابھیل کے ایک خدا رسیدہ عابد و زاہد عمر رسیدہ بزرگ تھے، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے عاشق اور سچے جاں نثار تھے، جب تک حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ زندہ تھے روزانہ بلا ناغہ ان کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے، بڑی قناعت کی زندگی بسر کی، ابتدائی دور میں سملک و ڈابھیل کا جو قافلہ جنوبی افریقہ پہنچا تھا موصوف اپنے چند برادران حقیقی کے ساتھ اس قافلہ کے ایک مسافر تھے، کاروبار تجارت شرکت سے شروع کیا لیکن بہت جلد مرحوم واپس آ گئے، کچھ عرصہ بعد کمپنی کو نفع ہوا اور مرحوم کا حصہ مرحوم کو بھیجا مگر لینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ میرا نام کمپنی سے خارج کر دیا جائے مجھے یہاں اپنی زمینداری کی معیشت کافی ہے، آخر عمر تک اسی پر گزارہ کیا، مرحوم ہمارے کرم فرما مخلص احباب جناب حافظ عبدالرحمن میاں اور مولانا عبدالحق میاں اور مولانا حافظ محمد شفیع میاں کے والد محترم تھے، اول الذکر جنوبی افریقہ میں قابل قدر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور میاں عبدالحق صاحب تمام گجرات میں دینی مدارس، تعلیم مساجد اور دینی اداروں کی قابل قدر خدمات میں نہ صرف مشغول ہیں بلکہ منہمک ہیں۔ یہ سب کچھ حضرت حاجی صاحب مرحوم کی توجہات اور حسن تربیت کا نتیجہ ہے۔ حافظ عبدالرحمن

میاں تجارت میں مشغول تھے، ان کو حکم دے کر تجارت سے نکالا اور دینی خدمت میں لگا دیا، ان کے مبارک ہاتھوں سے بفضلہ تعالیٰ اچھے اچھے کام انجام پذیر ہوئے، راقم الحروف کی تالیف ”معارف السنن“ کی طباعت کا سہرا موصوف کے سر پر ہے، خدا کا شکر کہ:

این خانہ ہمہ آفتاب است

اسی خاندان کے ایک فرد مولانا محمد بن موسیٰ میاں رحمہما اللہ نے ”المجلس العلمی“ کی بنیاد ڈالی ہے، جس نے تیس چالیس سال کے عرصہ میں علم حدیث اور علوم نبوت کی قابل قدر خدمات انجام دیں، ”نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الهدایۃ“ چار ضخیم جلدوں میں اور ”فیض الباری شرح صحیح البخاری“ چار ضخیم مجلدات میں اسی مجلس علمی کا کارنامہ ہے اور حال ہی میں حدیث نبوی کی قدیم ترین اور علمی اور اعلیٰ ترین کتاب امام حدیث عبدالرزاق بن ہمام صنعانی المتوفی ۲۱۱ھ کی کتاب ”المصنف“ گیارہ ضخیم جلدوں میں چار لاکھ روپیہ کے صرف سے بیروت میں طبع کرائی:

ایں کاراز تو آید و مردان چنین کنند

اس کتاب کے تعارف کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ مستقل مقالہ لکھا جائے گا، امام حدیث عبدالرزاقؒ امام ابو یوسفؒ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاذ اور امام بخاریؒ کے استاذ الا استاذ ہیں رحمہم اللہ جمیعاً۔ یہ کتاب آج پہلی مرتبہ وفات مصنف کے تقریباً بارہ ۱۲۰۰ سال بعد یورپ سے آراستہ ہوئی، کاغذ اس کے لئے جس اعلیٰ ترین معیار کا چاہا بیروت میں نہیں ملا، لندن سے خریدا گیا۔ آج تک اس معیار طباعت و اعلیٰ ترین کاغذ پر حدیث و تفسیر کی کوئی کتاب مصر و بیروت یا یورپ میں طبع نہیں ہوئی:

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

بہر حال اس باتو فیتق خاندان نے دین کی بڑی قابل قدر خدمت کی اور ملوک و سلاطین جو کام انجام نہ دے سکے اس خاندان کے افراد نے انجام دیئے۔ حق تعالیٰ ان خدمتوں کو قبول فرمائے اور ان کے لئے ذخیرہ آخرت فرمائے، حضرت حاجی ابراہیم میاں مرحوم اس خاندان کے بزرگ تھے۔

غفر اللہ لہ و رحمہ و رضی عنہ وارضاه و جعل الجنة متقلبه و مثواه، آمین
یا رب العلمین و صلی اللہ علی سیدنا خاتم النبیین محمد وآلہ و صحبہ
أجمعین۔

[صفر المظفر ۱۳۹۳ھ - اپریل ۱۹۷۳ء]



آغا عثمان جان مجددی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ غیر حاضری کے اس مختصر عرصے میں چند بابرکت ہستیاں ہم سے جدا ہو گئیں، صدر المشائخ آغا عثمان جان مجددی واصل بحق ہوئے جو حضرت نور المشائخ مولانا فضل عمر مجددی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے اور حضرت مولانا محمد صادق مجددی مدنی کے بھتیجے تھے اور جناب ضیاء المشائخ مولانا محمد ابراہیم جان المجدی العمری کابلی کے بڑے بھائی تھے، عرصہ سے لاہور میں مقیم تھے، یہیں انتقال ہوا۔

مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ کو جناب مولانا لال حسین اختر امیر مجلس تحفظ ختم نبوت کا انتقال ہوا، مرحوم نے نوعمری میں ہی مرزائیت سے تائب ہو کر اپنی تمام تر صلاحیتیں رد مرزائیت میں نہایت اخلاص و استقلال سے صرف کیں، انگریزی، عربی، اردو تینوں زبانوں میں نہ صرف پاکستان میں بلکہ یورپ اور اسٹریلیا میں بھی بے نظیر خدمتیں انجام دیں اور مرزائیت و عیسائیت کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اکابر کی دعاؤں نے ان کی خدمات میں مزید رنگ قبولیت عطا فرما دیا تھا۔

مولانا پیر خورشید احمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ کو مولانا پیر خورشید احمد رحمہ اللہ کا وصال ہوا، مرحوم کی عمر سو سال سے متجاوز بتلائی جاتی تھی، حضرت شیخ المشائخ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اسیر مالتا رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کر چکے تھے، اجازت و خلافت جانشین شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے حاصل تھی، مرحوم نہایت سادے، متواضع، صاحب استقامت بزرگ تھے۔ جب کراچی تشریف لاتے تو مدرسہ اسلامیہ ہی کو شرف قیام نصیب ہوتا تھا۔

حافظ ابوالحسن پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

مکہ مکرمہ میں حافظ حاجی ابوالحسن پشاوری مہاجر کی جنہوں نے چالیس سال کا طویل عرصہ ہجرت نہایت اخلاص کے ساتھ عبادت اور تقویٰ میں گزارا تھا جمعہ کے دن ماہ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ میں وفات پائی۔



حاجی حبیب احمد پاکولا والے رحمۃ اللہ علیہ

کراچی میں ہمارے محسن و مخلص دوست حاجی حبیب صاحب پاکولا والے بمرض سرطان رخصت ہو گئے، لندن بغرض علاج تشریف لے گئے تھے، واپسی پر عمرہ کا ارادہ رکھتے تھے، احرام کی چادریں ساتھ لے گئے لیکن وہیں بعارضہ قلب دفات ہوئی نعرش کراچی لائی گئی اور میوہ شاہ کے قبرستان میں مدفون ہو گئے۔

اللهم اغفر لهم وارحمهم وعافهم واعف عنهم واکرم نزلهم وأدخلهم الجنة وقهم عذاب القبر وعذاب النار وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وصالحی عبادہ أجمعین الی یوم الدین۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ۔ اگست ۱۹۷۳ء]



مولانا گل بادشاہ طوروی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ صوبہ سرحد کے ممتاز جید عالم، سیاسی مفکر مولانا گل بادشاہ صاحب طوروی طویل علالت کے بعد سہ شنبہ ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۷۳ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سنجیدہ، باوقار، پختہ عالم تھے، پشتو زبان کے خطیب و مقرر تھے، زندگی کا اکثر حصہ صوبہ سرحد کی سیاسی خدمات میں گزارا، برطانوی دور حکومت میں مسلسل سات برس اسارت کی زندگی گزاری، اس طویل عرصہ میں گونا گوں مصائب و حوادث ان پر گزرے، ان کو صابراً و محتسباً برداشت کیا اور ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی، تمام زندگی ان کی ابتلاء اور پریشانیوں میں گزری، کیا مجال ہے کہ کبھی حرف شکایت زبان پر آیا ہو، ہر ابتلاء کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، مرحوم دارالعلوم دیوبند کے عمدہ فاضل تھے، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے اور ان سے ظاہراً و باطناً، قلباً و قالماً وابستہ تھے، ابتدا سے مزاج سیاسی پایا تھا، لیکن علمی ذوق و شناسائی سے کافی بہرہ ور تھے، ابتدا سے جمعیت علماء ہند سے وابستہ تھے، پاکستان بننے کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ سے استفسار کیا کہ اب ہمیں کس انداز سے کام کرنا چاہئے؟ فرمایا کہ ”پاکستان کے وفادار رہ کر دینی و سیاسی خدمت جس طرح ملکی مصالح کو تقاضا ہو کرنی چاہیے“، اسی نصیحت پر قائم رہے اور صدر جمعیت علماء ہند

سرحد سے لے کر آخر تک امیر جمعیت علماء اسلام سرحد رہے، اسلام کے وفادار سپاہی اور سیاسی مجاہد، پاکستان کے سیاسی خادم، زندہ دماغ، حساس دل، مفکر مزاج، دردمند طبیعت، جفاکش، بے لوث خادم، نڈر عالم تھے، اردو کے اچھے مقرر، پشتو کے عمدہ ادیب تھے، خطابت میں سنجیدگی، معلومات، پر مغز تھے۔

افسوس کہ اس دور میں ایسے باخدا عالم، مخلص جاں نثار، جفاکش، جری، بہادر سپاہی بہت کم ہیں بلکہ کبریت احمر سے کم نہیں ہیں، مرحوم ۶۰ سال کی عمر میں رخصت ہو گئے اور دنیا کی راحتوں میں سے کوئی بھی حصہ حاصل نہیں کیا، مرحوم پر حق تعالیٰ کے ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں، ان کی لغزشیں معاف ہوں، ان کے درجات بلند ہوں، جنت کی فراواں نعمتیں نصیب ہوں، آمین۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَاکْرِمْ نَزْلَهُ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُ

وَارْزُقْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ وَجَارًا خَيْرًا مِنْ جَارِهِ، وَقِهِ

عَذَابَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ وَادْخُلْهُ الْجَنَّةَ مَعَ الْأَبْرَارِ.

[رجب و شعبان ۱۳۹۳ھ - ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۳ء]



مولانا عبدالحق نافع رحمۃ اللہ علیہ

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام
 آہ! دور حاضر کے ایک گمنام محقق حضرت مولانا عبدالحق نافع ہم سے ہمیشہ کے لئے
 جدا ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ علوم عقلیہ کے ماہر ہی نہیں بلکہ ناقد، علوم نقلیہ کے صاحب
 بصیرت فاضل، عصر حاضر کے ذکی ترین عالم، مکتہ سنخ، مکتہ شناس، دقیقہ رس، شعروادب کے صاحب
 ذوق، ہیئت وریاضی کے امام ہم سے جدا ہو گئے، انا للہ۔ علمی مشکلات کے صاحب فہم و بصیرت،
 مسائل دقیقہ علمیہ کی سہل تعبیر پر قادر ترین فاضل، یگانہ روزگار ہم سے رخصت ہو گئے، انا للہ۔

بلاشبہ اسلام کے ہر دور میں علم و تحقیق کے آفتاب و ماہتاب چمکتے رہے اور اسلام کی زر
 خیز زمین میں کیسی کیسی ہستیاں پیدا ہوئیں، علوم و معارف کے گلستانوں میں کیسے کیسے پھول کھلے،
 جن سے آج تک مشام عالم معطر ہے اور رہے گا، ملت محمدیہ کے ابر نیساں نے برس کر کیسے کیسے
 لعل و گہر پیدا کئے اور اس امت مسلمہ میں کیسی کیسی باکمال شخصیتیں ظہور میں آئیں، سراپا نور صحابہ
 و تابعین کا تو کیا کہنا! محدثین و فقہاء میں کیسی کیسی ہستیاں ظہور پذیر ہوئیں، محققین و متکلمین میں
 کیسے کیسے بابرکت افراد نے دنیا و علم و تحقیق کو روشن کیا، ایک طرف اگر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مالک
 رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ نظر آتے ہیں
 تو دوسری طرف احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق بن راہویہ، ابن المدینی، دارمی، بخاری، مسلم،

ابوداؤدؒ نگاہِ عالم کو خیرہ کئے ہوئے ہیں، اسی امت میں طحاویؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، جصاصؒ جیسی باکمال ہستیاں نقدِ حدیث میں دادِ تحقیق دے رہی ہیں، بیسیوں نہیں، سینکڑوں نہیں، ہزاروں اہل کمال سے امتِ محمدیہ کا دامن بھرا ہوا ہے، باقلانی، غزالی، ابن رشد، ابن فوری و رازی و شیرازی رحمہم اللہ جیسے ماہرینِ علوم عقلیہ وائمہ موجود ہیں۔

دور نہ جائیے متحدہ ہندوستان کی سرزمین نے شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، بحر العلوم رحمہم اللہ جیسے جامع کمالات اور علوم عقل و نقل کے ماہر پیدا کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا، اس آخری دور میں دہلی، دیوبند، سہارنپور، گنگوہ، نانوتہ، بھون، میں کیسی کیسی ہستیاں ظہور میں آئیں، جن کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی، جن کے اخلاص و تقویٰ اور علوم نبوت میں کمال کو دیکھ کر قرن اوّل کا شبہ ہونے لگتا ہے، آج ان کے علوم و حقائق اور علمی خصائص و کمالات کو صحیح سمجھنے والا بھی کوئی باقی نہیں رہا لیکن ان حضرات کے کچھ علوم ان کے سینوں سے سفینوں میں منتقل ہو گئے ہیں، جن کے ذریعہ امت کو استفادہ اور انتفاع کا موقع مل گیا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع اس دور کے ان علماءِ راہنہ میں تھے جن کی دقت نظر، دادِ تحقیق، حسن ذوق کا بہت کم کسی کو علم ہوا، افسوس کہ ان کے علمی کمال کا کوئی حصہ بھی سینہ سے سفینہ میں منتقل نہیں ہوا۔ اس علمی و فکری کمالات کے ساتھ حق تعالیٰ نے جن فطری کمالات سے نوازا تھا اور حاضر میں ان ملکات کا انفرادی طور پر بھی بہت کم کسی کو حصہ ملا، وہ حیا کے مجسم پیکر تھے، ان کا سرخ و سفید نورانی چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے لعل بدخشاں چمک رہا ہے، مجالسِ علم میں جب کبھی گفتگو ہوتی تو انتہائی سنجیدگی، بے عدل متانت و رزانت و وقار کے ساتھ خاموش بیٹھے رہتے تھے، جب ان کو مخاطب کیا جاتا تھا تب بحث میں حصہ لیتے تھے، اس دوران چہرے پر عالمانہ رعب ہمیشہ چھایا رہتا تھا، مجلس میں ان کے وجود سے ایسی رونق ہوتی تھی گویا میرِ مجلس وہی ہیں، لباس

میں انتہائی سادگی کے باوجود ممتاز وضع کے مالک، کھدر پوشی کے باوجود دلکش حسن و جمال کے پیکر، صاحبِ جود و کرم، وقار و کمالت میں یگانہ روزگار، صبر و تحمل میں بے نظیر، نفاست طبع و لطافت مزاج میں بے مثل، مزاج میں بھی وقار و اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے، آواز میں شیرینی، تعبیرات میں دل کشی، طبیعت میں انتہائی استغناء، رفتار و گفتار میں جاذبیت، ارباب فضل و کمال کے قدرداں، محبت و مودت میں رقت طبع کے ساتھ سنجیدگی و وقار کے مالک، افسوس کہ ایسی جامع شخصیت مدت میں پیدا ہوتی ہے۔

فکر و دماغ کی حیثیت سے انتہائی فلسفی مزاج لیکن باوجود اس فلسفیت کے عقیدہ و عمل میں عالمانہ پختگی، دماغ میں عقل و برہان کے نور کے ساتھ قلب میں وجدانی سکون کا اجتماع حیرت انگیز تھا، بیک وقت وہ فلسفی بھی اور مؤمن قانت بھی، حقائق ایمان میں وہ منطقی برہان سے زیادہ وجدانی ایقان و اطمینان کے حامل تھے۔

ماہرینِ علوم و فنون سے استفادہ کے عاشق تھے، جو شخصیت جس فن میں کمال رکھتی تھی اس سے فیض حاصل کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ دہلی، دیوبند، میرٹھ، گلاٹھی، رامپور، جہاں کہیں بھی کوئی صاحبِ کمال دیکھا وہاں تک پہنچے، یہاں تک کہ اپنے دور میں (چکیسر ضلع سوات) میں جب قاضی مبارک کے درس کے لئے گئے تو استاذ سے اس شرط پر درس قبول کیا کہ وہ قاضی مبارک کی تشریح کے دوران مجمل، مفصل، کندیا، حافظ یوسف دراز بھوپالی کے علاوہ جو کچھ ہو اس پر اکتفاء کریں، ان پانچ شروح سے کوئی حرف نہ کہیں، دور تحصیل میں کسی طالب علم کی کیا یہ حیثیت کسی نے سنی ہے؟ زندگی کا بڑا حصہ درس و تدریس میں گزارا، تمام علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں، طبیعت ایسی پائی تھی کہ واضح کی ایضاح اور بلا مقصد بلا ضرورت تطویل سے گریز، حل مشکلات میں بقدر ضرورت پر اکتفاء کرتے تھے، اس لئے اذ کیا طلبہ کو بے حد نفع ہوتا

تھا اور انبیاءِ محمدؐ رہتے تھے، بگال اور ہندوستان میں مختلف مقامات پر مدرس رہے، آخری دور دیوبند میں گذرا، دارالعلوم کے طبقہ علیا کے مدرس تھے، عقائد، جلالی، خیالی، شرح حکمت، شرح اشارات، شرح چغمنی، ابن کثیر زیادہ تر زیر درس رہیں۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے انقطاع ہو گیا، کچھ عرصہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں شیخ الحدیث و صدر مدرس رہے، جب راقم الحروف نے کراچی میں درس گاہ کی بنیاد ڈالی تو کچھ عرصہ میرے رفیق کار رہے، درس بخاری صدر مدرس کا منصب ان کو حاصل تھا، ضعف و خاگی ضروریات کی وجہ سے ہم ان کی رفاقت کی نعمت سے محروم رہے۔

افسوس کہ ان کی فوق العادہ ذکاوت، جامعیت علوم، مکارم اخلاق، فطری ملکات و کمالات کے باوجود ناقدر شناس دنیا نے ان کی قدر نہیں کی، جس قدر و منزلت کے یہ نادرہ روزگار مستحق تھے اتنی قدر و منزلت نہ ہو سکی:

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح

باز پس رفتی و کس قدر تو نشاخت در بلیغ

مرحوم سے میرا تعلق تقریباً نصف صدی رہا، تحباب و توادد کی اس منزل پر ہم پہنچے جس کی نظیر کم ملے گی، میں نے اپنے معاصرین اور حلقہ احباب اور اساتذہ میں باستثناء بعض حضرات ذکاوت طبع، دقت نظر، حسن ذوق، جامعیت مزاج میں ان کی نظیر نہیں دیکھی، میرے والد محترم حضرت مولانا سید محمد زکریا صاحب (مدظلہم و دامت برکاتہم) فرماتے ہیں کہ ”مشکل سے مشکل مسائل کو آسان و سادہ تعبیر میں حل کرنے والا عالم ان جیسا نہیں دیکھا“۔

افسوس کہ علم و فضل کا یہ گوہر آبدار دنیا سے رخصت ہو گیا، میرے نصف قصائد کا موضوع ان کی ذات رہی ہے، جو قلم ان کو مخاطب کر کے لکھتا تھا:

اتانی منك يا فرد الزمان
كتاب لفظه عقد الجمان

یا یہ لکھتا تھا:

بلغت الغاية القصوى مرادًا
وان تطلب تجد مجدًا سواها

آج وہ اشکبار آنکھوں سے غم گساری میں یہ چند حروف سپرد قلم کر رہا ہے، مرحوم کی ولادت ۱۳۱۳ھ میں ہوئی، ٹھیک اسی (۸۰) برس کی عمر میں بتاریخ ۱۳ رزی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۷۳ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، علالت کا سلسلہ ایک سال سے جاری تھا، میرا ایک تار مرحوم کی حالت معلوم کرنے کے سلسلہ میں گیا، جب ان کو علم ہوا تو جاہلی شاعر کا یہ شعر پڑھا:

سئمت تكاليف الحيا ومن يعيش
ثمانين حولًا لا أباك يسأم

یعنی زندگی کی تکالیف سے تنگ آ گیا ہوں اور جو اسی (۸۰) سال زندہ رہے
ضرور زندگی سے اکتا جائے گا۔
اور فرمایا کہ ”تسلی کا جواب دو“۔

ادبی ذوق عجیب و غریب تھا کہ ایک دفعہ چار سال قبل میں مکہ مکرمہ میں تھا، مکتوب ملا، اس وقت بعض احباب کے ساتھ موٹر میں میدانِ عرفات، وقوف عرفات سے دودن قبل جا رہا تھا، ڈاک راستہ میں ملی، خط راستہ میں نہیں کھولا، جب جبل الرحمت پہنچے تو لفافہ کھولا، عربی میں رقت انگیز مکتوب تھا، سرنامہ عربی کا ایک شعر تھا:

انا محيوك يا سلمى فحيينا
واذا سقيت كرام الناس فاسقينا

یہ شعر پڑھتے ہی سب پر بکاء کی کیفیت طاری ہوگئی اور اس رقت انگیز طرزِ تعبیر نے نہ صرف مجھ پر بلکہ سب پر رقت طاری کر دی۔

افسوس کہ میری غیر موجودگی میں ان کا حادثہ وفات پیش آیا، میں نے سرزمینِ مقدس حجاز مکہ مکرمہ میں ۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ جمعہ کی نصف شب کو خواب دیکھا کہ مرحوم وفات پا چکے، خواب صریح تھا اور امارات و قرآن بھی اس کے موید تھے، اس لئے مقاماتِ مقدسہ اور اوقات قبول دعا میں بجائے صحت و عافیت کے مغفرت اور ترقی درجات کی دعائیں کرتا رہا لیکن کسی ذریعہ سے کوئی اطلاع نہ مل سکی، تردد ہوا کہ شاید خواب صریح نہ ہو یا کچھ اور تعبیر ہو تو دوبارہ خواب دیکھا کہ خواب سچا ہے۔

میری ایک لڑکی نے جو حج میں ساتھ تھی، تین مرتبہ ماہِ ذی الحجہ میں ان کی وفات کے خواب دیکھے تھے، بعد میں معلوم ہوا کہ واقعہ صحیح تھا البتہ حادثہ وفات بتاریخ ۱۳/ ذی الحجہ میں حج کے بعد وقوع میں آیا۔

صد افسوس کہ نہ آخری لمحات حیات میں ملاقات ہو سکی، نہ جنازہ میں شرکت نصیب ہوئی، اب مزارِ مبارک پر حاضری ہوگی۔

بجنازہ گر نہ آئی ہزار خواہی آمد

والدِ محترم نے نام عبدالحق رکھا تھا، والدہ نے نافع گل، حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ کا حکم تھا کہ اس کو عبدالحق کہا کریں، اگر کوئی نافع گل کہتا ایک آنہ جرمانہ کرتے تھے، آخر میں راقم الحروف مرحوم کو عبدالحق نافع لکھا کرتا تھا اور یہی عام ہو گیا۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے مزارِ پُر انوار کو نور سے بھر دے اور ابرکرم کی بارش سے رحمت و رضوان کی نہریں جاری فرمادے، بال بال مغفرت ہو، اعلیٰ علیین میں مسکن ہو، بے حساب و بے کتاب جنت الفردوس نصیب ہو، آمین۔

حزبینه

(اشعار بروفات مولانا عبدالحق نافع)

عليك سلام الله يا روح نافع ورحمته ماشاء ان يترحما
 تحية حب حين يشجو فواده واضحى بحال كاد أن يتحطما
 تحيه قلب هائم متألم ويرجو من الله الرحيم ترحما
 رحيم رؤف بالعباد غيائهم يجود بعفو منة وتكرما
 رزية علم ثم فضل مصيبة تفوق رزايا الدهر حقا محتما
 رثاء فقيده العلم ثم خل رزيه تقطع قلبا هائما ومتيما
 فيا رب انزل من سحائب رحمة على قبره ماكان أغزر أدوما

[محرم الحرام ۱۳۹۴هـ]



مولانا عبد المنان میواتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ان عشت تفجع بالأحبة كلهم
وبقاء نفسك لا ابالك أفجع

حضرت مولانا عبد الحق صاحب نافع رحمہ اللہ کی وفات کی خبر سے دل کا زخم ابھی تازہ تھا کہ برادر محترم مولانا عبد المنان صاحب میواتی دہلوی کی وفات حسرت آیات کی خبر سنی، مرحوم یوم سہ شنبہ ۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۲/ جنوری ۱۹۷۴ء کی شام کو دہلی میں واصل بحق ہوئے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون

مرحوم سراپا اخلاص اور سراپا سوز و گداز تھے، جید عالم تھے، عربی اور اردو کے بے مثل فطری شاعر تھے، عربی شعر گوئی میں اس دور میں متحدہ ہندوستان میں ان کی نظیر نہیں تھی، اشعار میں روانی، زبان دانی، اسلامی قدیم دور کے شعراء کی یاد تازہ کرتی تھی، حافظہ بے عدیل تھا جو قصیدہ لکھا سا لہا سال تک یاد رہتا تھا، سنانے کا طرز بھی بے عدیل تھا، جس وقت شعر سنانے بیٹھتے ایک ایسا وجد و بے خودی طاری ہوتی تھی کہ سراپا جذب و سراپا وجد بن جاتے تھے، سوز و گداز کے باوجود باغ و بہار تھے، ان کی مجلس عجیب پر لطف ہوتی تھی، بزرگوں سے عقیدت، بزرگوں کی خدمت اور بزرگوں کی دعاؤں کی برکت نے ان کی ساخت کو عجیب بنا دیا تھا، وہ بیک وقت شاعر بھی تھے،

صالح عالم بھی تھے اور باخدا بھی تھے، دلوں کو تڑپانے والے بھی تھے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر رویا کرتے تھے، اور آخری عمر تک سلسلہ چشتیہ کا ذکر بالجہر بارہ تسبیح کا ورد پابندی سے کیا کرتے تھے، ذکر کرتے وقت ان کی دردناک آواز اندرونی سوز و گداز کی غمازی کیا کرتی تھی، جب پاکستان آتے اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں وارد ہوتے تو مدرسہ میں آپ کی تشریف آوری سے عجیب روق آ جاتی تھی، مکہ مکرمہ میں موسم حج میں کچھ دن ان کی معیت و صحبت نصیب ہوئی، ان کے کمالات خوب کھلے۔

دہلی کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ وفات سے کچھ ماہ قبل اپنی وفات کا احساس ہو گیا، تھا گویا وہ ہر وقت منتظر رہتے تھے اور بار بار یہ اظہار کیا کہ تین حج کی دعا کی تھی قبول ہوگئی، اب سفر آخرت قریب ہے۔

افسوس کہ یہ بلبل خوشنوا، جو ہر مجلس میں چمکتی تھی اب خاموش ہوگئی اور سوز و گداز کے وہ نغمے جو ہر مجلس کو گرماتے تھے آج ختم ہو گئے۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَاکْرِمْ نَزْلَهُ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُ
وَادْخُلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِزَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ.



حاجی علی محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

پرسوں چہار شنبہ کے دن بلکہ جمعرات کی رات مغرب کے بعد ۵/ صفر ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۷/ فروری ۱۹۷۴ء ہمارے مخلص دوست سابق اسلامک اسٹیمپنگ کمپنی کے اسپیشل ڈائریکٹر حاجی علی محمد موسیٰ کی اچانک وفات کا حادثہ پیش آیا، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کراچی وسندھ کے قدیم باشندے تھے ان کے اخلاص، تواضع، مسکنت، اہل اللہ، صالحین اور علماء دین سے ان کی محبت دیکھ کر یہ یقین ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ اس صدی کا شخص ہے بلکہ محسوس ہوتا تھا کہ کوئی قدیم باقی ماندہ روح ان میں جلوہ گر ہے، سراپا اخلاص، سراپا مسکنت و تواضع، فیض رساں خدمت خلق کا دلدادہ، جس کی نظیر اس دور میں بہت کم ملے گی۔ ”پان اسلامک کمپنی“ قائم ہونے سے پہلے یہ خاندان کراچی میں حجاج کرام کی خدمت کے لئے وقف تھا لیکن اس بحری کمپنی سے تعلق کے بعد حق تعالیٰ نے حجاج کرام اور علماء عظام اور حج و عمرہ پر جانے والے عام لوگ خصوصاً علماء یا ان کے احباب کے لئے وہ خدمات ان سے لیں جن کا تصور بھی اس دور میں مشکل ہے، اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہی امید ہے کہ ان کے یہی اعمال آخرت کے لئے سب سے زیادہ مفید ذخیرہ بھی ہوگا۔ وفات کے بعد ان کے چہرے سے گویا نور کے شعلے نکلتے دیکھے اور لب پر تبسم کا منظر عجیب تھا، الحمد للہ کہ ان کی مغفرت اور ترقی درجات کی بہت کھلی علامات تھیں، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر ہوں اور جنت الفردوس کی بشارت سے سرفرازی نصیب ہو:

خدا رحمت کند ایس عاشقان پاک طینت را
 علماء و احباب و مخلصین کے قافلے آخرت کی طرف بہت سرعت سے جا رہے ہیں نہ
 معلوم اس مرثیہ خواں قلم کی باری کب آتی ہے؟
 اللہم اختم لنا بخیر واجعل خیر اعمارنا آخرها.

[صفر المظفر ۱۳۹۴ھ - مارچ ۱۹۷۴ء]



الشیخ محمد ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ مصر کے مایہ ناز محقق عالم الشیخ محمد ابوزہرہ گذشتہ شنبہ ۱۳/۱۳ اپریل ۱۹۷۴ء مطابق ۱۹ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ کو واصل بحق ہوئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف دور حاضر کے ممتاز عالم، بے نظیر مصنف، حیرت انگیز خطیب تھے، ائمہ اربعہ اور چند افراد امت پر ان کی تصانیف ان کے علمی شاہکار ہیں، تصنیفی اسلوب میں نقد و تحلیل اور بحث و تحقیق کے امام تھے، وہ مسلکاً حنفی تھے لیکن بعض مسائل میں وہ اپنے خیال میں دلیل و حجت کے تابع تھے، موصوف سے پہلی مرتبہ اس وقت ملاقات ہوئی تھی جب لاہور میں ۱۹۵۸ء میں ”کلوکیم“ ہوا تھا تو وہ کراچی آئے تھے، مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں بھی تشریف لائے تھے، پھر ”کلوکیم“ میں ان کی تقریروں کے سننے کا موقع ملا تھا، غلام احمد پرویز اور عبدالحکیم ادارہ ثقافت والے پران کی تنقید و تقریر قابل قدر تھی، بعد میں ”مجمع البحوث الاسلامیہ“ کی کانفرنسوں میں موصوف کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ان کی علمی خصوصیات کے جوہر کھلے، وہ بیک وقت بہترین ادیب و کاتب بھی تھے اور اعلیٰ ترین خطیب بھی تھے، حافظ بے نظیر تھا، جو لکھا سب یاد ہوتا تھا ”مجمع البحوث الاسلامیہ“ میں جب بھی کسی موضوع پر سینکڑوں صفحات کا مقالہ تیار فرمایا تو کھڑے ہو کر خود سناتے تھے، اکثر حافظے سے سناتے تھے، گویا تقریر کر رہے ہیں، عقیدہ سلیم تھا، مزاج میں سنجیدگی اور وقار تھا، غرض اپنے اس دور میں علماء ازہر میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، عرصہ دراز تک وہ

”کلیۃ الحقوق“ (لاء کالج) کے عمید (پرنسپل) تھے، ہمارے مولانا عبدالرزاق صاحب جو مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں ہمارے رفیقِ کار تھے ”المجلس الأعلى للشئون الاسلامیة“ کی دعوت پر ڈاکٹریٹ کے لئے مصر گئے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر مقالہ تیار کر رہے تھے، جامعۃ القاہرہ کی طرف سے مشرف استاد الشیخ ابوزہرہ تھے۔

افسوس صد افسوس کہ اس قحط الرجال کے دور میں ایسی باکمال شخصیتیں مشکل سے پیدا ہوتی ہیں، حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے، درجات عالیہ نصیب فرمائے اور ان کی علمی و دینی خدمتوں کو بارگاہ ربوبیت میں شرف قبولیت بخشے، آمین۔



مولانا سید شمس الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے بلوچستان فورٹ سنڈیمن کے نوجوان غیور عالم مولانا شمس الدین بتاریخ ۱۴ مارچ ۱۹۷۴ء مطابق صفر ۱۳۹۴ھ بڑی بے دردی سے شہید کر دیئے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کے اس نوعمری میں سیاسی میدان میں قدم رکھنے سے بہت سے حیرت انگیز کمالات کا ظہور ہوا، سنجیدہ باوقار، خوبصورت، خوب سیرت، اصول کے پابند عالم تھے، بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر تھے، اس دوران ان کو شدید سے شدید آزمائشیں پیش آئیں اور ایسے ایسے خطرناک ہوشربا امتحانات سے واسطہ پڑا جہاں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگائے لیکن کیا مجال کہ مولانا شمس الدین کے پائے استقامت کو ذرہ بھر بھی لغزش ہوئی ہو، مال سے مستغنی، جاہ و منصب سے بے نیاز، فقیری میں پادشاہ، فیض رساں، خدمت خلق کے لئے وقف، جری، بہادر، جمعیت علماء اسلام اور مولانا مفتی محمود صاحب خصوصی طور پر تعزیت کے مستحق ہیں، کسے معلوم تھا کہ بلوچستان کی سنگ لائخ وادی اس ابنِ نوبہاری کے فیض سے اتنی جلد محروم ہو جائے گی۔

اکنوں چہ توانا کرد کہ تقدیر چنیں بود

حق تعالیٰ نے موت بھی شہادت کی نصیب فرمائی، حق تعالیٰ اس شہید ملک و ملت کو شہداء برحق کے درجات رفیعہ سے سرفراز فرمائیں اور حیات جاودانی نصیب فرمائیں اور شہداء کے لئے

احادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جن درجات کا ذکر آیا ہے حق تعالیٰ وہ مولانا شمس الدین کو عطا فرمائیں، آمین۔ ان کی خدمات قبول ہوں، ان کی خونی شہادت ان کے حق میں ہر طرح سے باعث خیر و برکت ہو، آمین ثم آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ۔ مئی ۱۹۷۴ء]



مولانا عبدالرحمن جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ میرے ایک قدیم ترین محب مولانا عبدالرحمن بن فقیر محمد جالندھری کل بروز شنبہ بوقت عصر مورخہ ۱۱/ربیع الآخر ۱۳۹۴ھ مطابق ۴/مئی ۱۹۷۷ء کو راہی ملک بقا ہوئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سے شناسائی اور تعلق ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں پیدا ہوا، وہ ۱۳۴۰ھ سے دارالعلوم میں داخل تھے اور اس وقت متوسط کتابیں پڑھتے تھے، ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم میں جب انقلاب آیا جس میں امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ اور چند ازاں بعد مولانا شبیر احمد عثمانی، عارف باللہ حضرت مولانا عزیز الرحمن دیوبندی اور مولانا سراج احمد رشیدی وغیرہ حضرات علیحدہ ہوئے اور طلبہ کی ایک بڑی جماعت میں بیجان برپا ہوا، اس وقت مرحوم غالباً اپنے ماموں کے مشورے سے جو اس وقت پشاور میں تحصیلدار تھے دارالعلوم سے چلے آئے اور اورنٹیل کالج لاہور میں مولوی فاضل کلاس میں داخلہ لے لیا، چند سال لاہور رہے، مولوی فاضل اور منشی فاضل کیا اور دوبارہ ۱۳۵۱ھ میں اپنی کتابوں کی تکمیل کے لئے دارالعلوم پہنچے، ۱۳۵۳ھ میں دارالعلوم سے سند فراغ حاصل کی، جس کے الفاظ یہ تھے:

وهو عندنا سليم الطبع جيد الفهم مرضى السيرة، محمود السريرة وله

مناسبة بالعلوم تامة، يقدر على نشر العلوم وإفادتها.

وہ ہمارے نزدیک سلیم الطبع، عمدہ فہم، پسندیدہ سیرت اور قابل تعریف عادت کے شخص ہیں، انہیں علوم سے پوری مناسبت ہے اور وہ علوم کی نشر و اشاعت پر قادر ہیں۔

عرصہ دراز کے بعد معلوم ہوا کہ کسی کالج میں استاذ ہیں، بعد میں ریٹائر ہو گئے اور لائل پور کی کسی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے، اسی دوران چند ماہ ایک خاص جماعت کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں بھی استاذ رہے، فریضہ حج غالباً ۱۳۵۷ھ میں ادا کیا، ایک بار عمرہ و زیارت کے لئے بھی سفر حرمین کی توفیق ہوئی، دوسری بار اب سے کوئی اڑھائی تین مہینے پہلے عمرہ و زیارت کے لئے بڑے ذوق و شوق سے حرمین پہنچے، ایک ماہ مدینہ طیبہ میں اور ایک ماہ سے زائد مکہ مکرمہ میں قیام رہا، اس دوران والہانہ و مجذوبانہ انداز میں طواف و عبادات اور مجاہدات میں مشغول رہے، طبیعت وہیں بگڑ گئی تھی لیکن آرام کا خیال نہ کیا، سفینہ حجاج سے واپسی ہوئی، کراچی پہنچنے سے ۳۰ گھنٹے قبل بخار ہوا بے ہوش ہو گئے، جہاز کے ہسپتال میں داخل کئے گئے مگر تشخیص نہ ہو سکی، بے ہوشی کے عالم میں کراچی اتارے گئے اور سول میڈیکل ہسپتال پہنچائے گئے، معلوم ہوا کہ گردن توڑ بخار کا عارضہ ہے جس سے مریض شاذ و نادر ہی جانبر ہوتا ہے، تمام تدبیریں کی گئیں مگر ناکام ہوئیں، بالآخر عمرے کا یہ مسافر تمام عمر کے لئے سفر آخرت پر روانہ ہو گیا۔

طبیعت ابتدا ہی سے نیم مجذوبانہ تھی، دیوبند کی طالب علمی کے دوران آدھی آدھی رات کو جنگل میں چلے جاتے، کبھی سہارن پور جانے کے لئے اسٹیشن پر پہنچے، ریل نکل گئی تو پاپیادہ سہارن پور چل دیئے اور ۲۲ میل کا سفر چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا، ۱۹۳۰ء میں لاہور میں مولوی فاضل کی تیاری کے دوران ایک خاص شکل میں ذکر و شغل کرنے لگے، جس کی وجہ سے یہ

کیفیت طاری ہوئی کہ بہت سے لوگوں کی صورتیں بندر وغیرہ کی نظر آنے لگیں اور بے حد پریشان ہوئے، بالآخر میرے اصرار پر اس شغل کو ترک کیا تو کچھ عرصہ بعد یہ کیفیت جاتی رہی مگر اس شغل کی وجہ سے اس وقت امتحان میں ناکام ہوئے، یہی نیم مجذوبانہ کیفیت آخر عمر تک رہی، لہذا نڈ و شہوات سے طبعاً دور تھے، مشتہات سے اجتناب کرتے تھے، سنا ہے کہ دورہ حدیث کے اختتام پر حضرت مدنی قدس اللہ سرہ سے بیعت بھی ہو گئے، پوری زندگی سادگی اور مجاہدے میں گزاری، زبان پر کبھی کسی کی غیبت وغیرہ نہ آتی، غالباً ۶۸ برس عمر ہوگی کہ سفر مبارک سے سفر آخرت پر روانہ ہوئے، چہرے کی نورانیت قابل رشک تھی، مغفرت کی علامات نمایاں اور حرمین کے انوار و برکات مشاہد تھے، الحمد للہ بہت جلد تجہیز و تکفین اور تدفین کے مراحل طے ہو گئے اور یوسف پورہ میں سوداگران دہلی کے قبرستان کراچی میں ان کی آخری آرام گاہ بنی۔

حق تعالیٰ کی بے انتہا رحمتیں اس مسافر آخرت پر ہوں جس نے تمام زندگی زہد و قناعت اور تقویٰ و مجاہدہ کی منزلیں طے کرنے میں گزاری۔

اللهم اغفر له وارحمه وارضه وارض عنه وادخله دار النعيم بفضلك
وكرمك يا ارحم الراحمين.

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ - جون ۱۹۷۲ء]



مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محب و مخلص با خدا عالم مولانا دوست محمد قریشی بتاریخ ۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۶/مئی ۱۹۷۴ء ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت (ہند) کے ۱۳۵۸ھ میں دورہ حدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے تعارف و تعلق ہوا، مرحوم سنن ابی داؤد شریف کے چند ممتاز طلبہ کے ساتھ میرے درس میں شریک تھے، ایک مخلص تلمیذ اور خادم کی حیثیت سے ان سے یہ توقع اسی وقت تھی کہ اگر عمر نے وفا کی تو یہ مسلک اہل علم کا ایک تابندہ گوہر ہوگا، فراغت کے بعد عرصہ دراز تک مختلف مدارس میں علوم دینیہ کا درس دیا پھر ردفرق باطلہ میں امتیازی خصوصیت کے حامل بنے اور تھوڑے عرصہ میں ایک ممتاز شعلہ فشاں اور فصیح اللسان خطیب کی حیثیت سے پاکستان میں ان کا تعارف ہوا اور ساتھ ہی ساتھ نقشبندی سلسلہ میں حضرت عبدالملک صاحب نقشبندی شیخ طریقت کے (جو حضرت مولانا فضل علی قریشی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے) دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور قلیل عرصہ میں اپنی قوت مجاہدہ کی وجہ سے خلیفہ مجاز بن کر خود شیخ طریقت بھی بن گئے، اس باطنی نسبت کی بنا پر عام خطباء شعلہ بیان کے عیوب سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی، باوجود شیخ طریقت، عمدہ مقرر، مشہور عالم ہونے کے اخلاق میں تواضع اور اپنے اکابر سے عقیدت مندی و وابستگی آخر تک قائم رہی۔

کوٹ اڈو میں درسگاہ و خانقاہ کی بنیاد بھی ڈال دی اور وہی آخری قیام گاہ بھی ثابت ہوئی، کچھ عرصہ پہلے فالج و لقوہ کا حملہ ہوا تھا، حق تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی اور تقریروں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ مرحوم خوبصورت، خوب سیرت، باوقار سنجیدہ مزاج تھے، حضرت عطا اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے اسلوب پر خطابت کا انداز تھا، حافظہ عمدہ تھا، حضرت شاہ بخاریؒ کے بعض خصوصی مواعظ و تقاریر کے گویا حافظ تھے، اللہ تعالیٰ نے باوجود کمالات کے حب مال و جاہ سے محفوظ فرمایا تھا، اور ایک بیدار دماغ، درد مند دل سے نوازا تھا، شیعہ پاکٹ بک وغیرہ جیسی تصنیفی یادگار بھی چھوڑ چکے ہیں، کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے شعبہ رد فرق باطلہ کے لئے ایام تعطیل میں تشریف لایا کرتے تھے اور تعلیم و تربیت و امتحان کے بعد سند مدرسہ سے دی جاتی تھی، اس قحط الرجال کے دور میں ان کا وجود بسا غنیمت تھا، افسوس کہ جو شخصیت جاتی ہے اس کی جگہ خالی ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر ہوں، درجات عالیہ نصیب ہوں، ان کی دینی تبلیغی، تربیتی خدمات بارگاہ ربو بیت میں قبول ہوں اور اس کے اجر و ثواب سے یوم محشر میں مالا مال ہوں، آمین۔

[جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ - جولائی ۱۹۷۴ء]



مولانا خیر محمد بہاولپوری مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ حرم محترم مکہ کے ایک باخدا بزرگ اور معمر عالم حضرت مولانا خیر محمد صاحب بہاول پوری مہاجر کی گذشتہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ میں واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم اپنے علم و فضل اور استقامت و استقلال میں سلف صالحین کی یادگار تھے، مسجد حرام میں نماز کے بعد درس شروع فرمایا کرتے تھے، اکثر اوقات بیت اللہ الحرام کے مواجہہ شریفہ میں طالبان علوم تسکین کا سامان کرتے تھے، صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث سے لے کر تفسیر ابن کثیر اور شاطبیہ تک تمام علوم بے تکلف پڑھایا کرتے تھے، مہاجر علماء میں اس آخردور میں ان کی نظیر نہیں تھی، مزاج میں انتہائی سادگی، معمولات میں انتہائی پابندی اور تدریس علوم سے شغف قابل حیرت تھا، اخلاص، تواضع، مہمان نوازی وغیرہ ایک عالم برحق کی تمام خصوصیات کے حامل تھے، آخری عمر میں ضعف و علالت اور بینائی کی انتہائی کمزوری کے باوجود آخری شب میں حرم کی حاضری کی تڑپ قابل دید تھی۔

اس پر آشوب دور اور قحط الرجال کے زمانے میں ایسی باخدا ہستیاں، عالم باعمل، جامع العلوم، ماہر الفنون، محض حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے جفاکشی، محنت و عرق ریزی کے ساتھ علوم دینیہ کی خدمت کرنے والے کہاں سے آئیں گے؟ نہ مال کی محبت، نہ جاہ کی رغبت، نہ وجاہت کی

خواہش، صرف علوم ہی کی خدمت زندگی کا مقصد ہو۔ ایسے بزرگ اب کہاں؟ سن مبارک بظاہر نوے کے قریب ہوگا۔ افسوس کہ مجھے زیادہ تفصیل معلوم نہ ہو سکی، بہر حال تمام زندگی علم کی بادیہ پیمائی میں صرف کی اور بظاہر نصف صدی کے قریب کا زمانہ مکہ معظمہ میں کعبۃ اللہ کے سائے میں گذارا، سبحان اللہ!

ایں سعادت بزور بازو نیست

محض حق تعالیٰ شانہ کا عظیم احسان ہے کہ پاک سرزمین میں پاک نیت سے پاک طہیتی کے ساتھ حیات کا یہ کاروان منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ اے اللہ! ان کے درجات کو بلند اور مغفرت و رحمت و رضوان کے اعلیٰ مقامات نصیب فرما اور ان کے صاحبزادے محمدؐ کی کوان کا صحیح جانشین بنا۔

آمین یا رب العلمین و صلی اللہ علی خاتم النبیین و سید المرسلین محمد
و علی آلہ و صحبہ أجمعین

[رجب المرجب ۱۳۹۴ھ - اگست ۱۹۷۴ء]



مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی رحمۃ اللہ علیہ

اور

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

سال رواں کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ علمی دنیا کے لئے ”عام الحزن“ ہے، بڑی بڑی جلیل القدر ہستیاں اور عظیم القدر اشخاص سفر آخرت پر روانہ ہوئے، ابھی ابھی جولائی ۱۹۷۴ء مطابق ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ میں عالم اسلام کے مفکر، عظیم سیاسی رہنما، تجربہ کار قدیم سیاست دان اور فقہ اسلامی کے مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی واصل بحق ہوئے۔ اخبارات کے صفحات پر مرحوم کے حادثہ وفات پر اظہار تاثرات کے سلسلہ کی روشنائی ابھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ دور حاضر کے ایک متبحر عالم اور جلیل القدر محدث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مرحوم کی وفات بلاشبہ اہل علم کے لئے ناقابل برداشت خسارہ ہے، جس کی مکافات و تدارک کا کوئی امکان نہیں۔

حضرت مرحوم کی زندگی پوری نصف صدی تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری، تعلیم اور فراغت مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ہوئی۔ مظاہر العلوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند آ کر حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کا شرف تلمذ حاصل کیا، مطالعہ

کتب کا ابتداء ہی سے ذوق تھا، درسیات سے متعلقہ شروح و حواشی کے علاوہ بھی مطالعہ کتب کا شوق رہا، حافظہ بہت ہی عمدہ اور قابلِ قدر تھا، اس لئے بحر و وسعتِ نظر میں اپنے معاصرین میں ممتاز رہے، نیز ابتداء ہی سے علمی شوق کے ساتھ عبادت کا ذوق بھی تھا، جس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ مہاجر مدنی کچھ حالات سنایا کرتے تھے، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ سے تلمذ کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس مقرر ہوئے، مفوضہ کتب کے علاوہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد درس ترجمہ قرآن کریم بہت شوق و ذوق سے دیا کرتے تھے اور جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ موطا امام مالک کے درس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا، دارالعلوم دیوبند ہی میں ابتدائی تدریسی عہد میں مقاماتِ حریری کا حاشیہ لکھا اور مشکاة المصابیح کی شرح شروع کی تھی، اسی وجہ سے ابتدائی تدریسی زندگی میں مرحوم کو متوسط درجہ کی کتابوں سے آگے کی کتابیں برائے تدریس دی گئیں تھیں، چنانچہ ابتدائی دور میں جہاں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ جیسے محقق روزگار کو مشکوٰۃ المصابیح دی گئی تھی وہاں مرحوم کو بھی مشکوٰۃ المصابیح کی جماعتِ ثانیہ حوالہ کر دی گئی تھی، ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے استعفاء دیا، اور فتنے کا دور شروع ہوا، اس لئے حضرت مرحوم کو یہ پسند نہ تھا کہ وہاں اپنے تدریسی شغل کو جاری رکھیں، نیز حضرت مولانا حبیب الرحمن مرحوم سے تعلقات تھے، ان کو بھی ناراض کرنا مشکل تھا، اس لئے مرحوم دارالعلوم کو خیر باد کہہ کر حیدر آباد دکن جا کر وکیل فیض الدین مرحوم کے ہاں اقامت پذیر ہوئے، وکیل صاحب مرحوم کو بڑا علمی ذوق تھا، بڑا عظیم الشان کتب خانہ جمع کیا تھا، حضرت مرحوم کے قیام کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر انھوں نے صحیح بخاری کا درس لینا شروع کیا اور یکصد ماہوار مشاہرہ بھی مقرر کیا، حضرت مرحوم کو یہ فرصت کے لمحات بڑے مغتنم مل گئے، تمام رات فتح الباری کا مطالعہ کرتے تھے اور جتنی فتح الباری مطالعہ کی

اتنا ہی سبق پڑھا دیا کرتے تھے اور کچھ تصنیفی کاموں کے لئے فرصت بھی مل گئی، اس دوران حج بیت اللہ کا فریضہ بھی ادا کیا اور وکیل فیض الدین کی رفاقت میں یہ سفر کیا گیا، حج ادا کرنے سے پہلے حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہؒ کی خدمت میں بقصد بیعت تشریف لائے، دیوبند پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت امام العصر رحمہ اللہ تبدیلی آب و ہوا کے لئے بجنور تشریف لے گئے ہیں، بہت بے چینی سے بجنور پہنچے، حضرت امام العصر شاہ صاحبؒ کا قیام مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں تھا اور راقم الحروف بنوری اس وقت پہلی مرتبہ خادم خصوصی کی حیثیت سے شرف خدمت سے سرفراز تھا، یہ ماہ شوال کے اواخر ۱۳۴۶ھ کا واقعہ ہے، میری موجودگی میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور اذکار کی تلقین کی، اس وقت کی تمام کیفیات و حالات الحمد للہ سب یاد ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات ۳ صفر ۱۳۵۲ھ کو ہوئی، حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد مجاہد عصر و عارف باللہ شیخ وقت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے زمانہ صدارت میں دیوبند دوبارہ تقرر ہوا۔ اور غالباً اسی دوران حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور آخر تک دارالعلوم ہی میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ تقسیم ہندوستان کا تاریخی واقعہ پیش آیا اور ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے، کچھ عرصہ جامعہ عباسیہ بہاولپور میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی دعوت پر لاہور تشریف لائے اور جامعہ اشرفیہ میں جس کی ابتداء نیلا گنبد سے ہوئی شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور نہایت سکون و اطمینان سے تدریسی و تصنیفی زندگی میں مصروف ترین وقت گزارا۔ ”التعلیق الصبیح“ جو مشکوٰۃ المصابیح کی شرح ہے وہ موصوف کی ابتدائی تصنیفات میں سے ہے، اس کے طباعت کے لئے شام کا سفر کیا اور دمشق میں قیام فرما کر طبع کرائی، آخری جزء وہاں طبع نہ ہو سکا، رقم ختم ہو گئی۔ اس کے بعد کی تصانیف میں

زیادہ انتقان ہے۔ تصانیف میں ”سیرۃ المصطفیٰ“ نہایت عمدہ منہج اور قابل اعتماد سیرت نبوی اردو میں تالیف فرمائی، صحیح البخاری کی شرح ”تحفة القاری بجل مشکلات البخاری“ قابل قدر سرمایہ ہے، جس کے ابتدائی چند جزو طبع ہو گئے ہیں اور آخری جزو بھی طبع ہو چکا ہے جو نہایت محققانہ انداز میں ہے بلکہ اجزاء سابقہ میں اپنے تحقیقی معیار میں ممتاز ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر ”معارف القرآن“ کے نام سے تالیف فرما چکے ہیں، جلد پنجم طبع ہو گئی جو سورۃ توبہ پر ختم ہے، بلاشبہ عمدہ قابل قدر تفسیر اور ان کی علمی پختگی کی شاہکار ہے، بعض غررِ نقول کا نہایت عمدہ انتخاب فرمایا ہے، کلام باری میں ان کا رسالہ ”الکلام الموثوق فی تحقیق ان القرآن کلام اللہ غیر مخلوق“ نہایت عمدہ رسالہ ہے اور تقریباً تیس سالہ محنت و مطالعہ کا نتیجہ ہے، دارالعلوم دیوبند کے آخری دور میں اس موضوع کا مطالعہ اور لکھنا شروع کیا تھا میری ناقص رائے میں یہ کتاب تحقیقی معیار اور حسن ترتیب کے اعتبار سے تمام تالیفات میں امتیازی شان رکھتی ہے، ابتداءً حافظ ابن تیمیہ و حافظ ابن القیم سے متاثر تھے لیکن آخر میں امام ابو بکر باقلانی کی ”الانصاف“ سے متاثر ہوئے اور آخری تحقیق جمہور متکلمین کے بالکل موافق ہوئی اور یہی رنگ تمام کتاب میں واضح ہے، حضرت مرحوم کی قابل رشک زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمام لمحات حیات علمی کدو کاوش سے فارغ نہیں بیٹھے۔ اور اس میں ایسا استغراق رہا کہ دنیا کی خبر نہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان رہا کہ دنیوی افکار و اشتغال سے فارغ رکھا اور تمام افکار و اشتغال علمی بادیہ پیمائی میں صرف ہوئے اور علمی جدوجہد کا سلسلہ اور قوت حافظہ آخری لمحات حیات تک باقی رہی، عربی شعر کا بہت قابل قدر ذوق تھا، بے تکلیف اور برجستہ شعر کہتے تھے، فارسی شعر بھی فرماتے تھے۔

بہر حال حضرت مرحوم حدیث و تفسیر میں اپنے اہل عصر میں ممتاز رہے، وہ محدث تھے، مفسر تھے، ادیب تھے، شاعر تھے، صوفی مزاج تھے، صوفیانہ لطائف و معارف سے بہت ذوق

تھا، مرحوم اپنے فضل و کمال کے پیش نظر جس قدر دانی کے مستحق تھے وہ نہ ہو سکی اور جس شہرت کے مستحق تھے وہ شہرت نہ ہو سکی، مکارم اخلاق عالمانہ تھے، لطیفہ گو اور حاضر جواب تھے، اپنی رائے پر پختہ تھے، کسی شخصیت سے کم مرعوب ہوتے تھے، اپنی رائے پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ اہل علم کے قدر دان تھے، خفیف الجسم، لطیف الروح تھے، مزاج میں انتہائی سادگی تھی، دنیا کے بکھیروں سے بے خبر تھے، مطالعہ اور تصنیف میں ہمہ وقت مستغرق تھے، ان کے اوقات علم و عمل اور درس و تدریس سے معمور تھے، کتابوں کے عاشق تھے، نئی مطبوعہ کوئی کتاب جس قیمت سے بھی ملتی تھی خرید لیتے تھے، خوش مزاج تھے، مجلس لطائف و نظائر سے مالا مال ہوتی تھی، مہمان نواز تھے، آخری ملاقات وفات سے دو ہفتے پہلے ہوئی، الحمد للہ کہ حسب معمول نہایت شفقت و محبت فرمائی، کسے معلوم تھا کہ یہ علمی پیکر، معارف و لطائف کا خزانہ، اخلاق کا مجسمہ، سراپا علم و فضل، محدث و مفسر، ادیب، یگانہ روزگار ہستی اتنی جلد ہم سے رخصت ہونے والی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے درجات عالیہ نصیب فرمائے، اور اپنی خصوصی رحمت و رضوان سے مالا مال فرمائے، زلات و سینات کو حسنات میں تبدیل فرمائے۔ افسوس کہ جنازہ کی شرکت سے محروم رہا، راولپنڈی میں اطلاع پہنچی تھی، ہوائی جہاز کی سیٹ نہ ملنے سے یہ سعادت نصیب نہ ہو سکی۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ - ستمبر ۱۹۷۷ء]



مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

{کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام}

کل ابن انثی وان طالت سلامتہ

یوما علی آلۃ حدباء محمول

آہ! آج مسند علم و تحقیق، مسند تصنیف و تالیف، مسند تعلیم و تدریس، مسند بیعت و ارشاد بیک وقت خالی ہو گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۸/ دسمبر ۱۹۷۴ء اتوار کی صبح حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہوئے۔ اس مرد حق نے زندگی کی نوے منزلیں طے کر کے سفر آخرت کے لئے قدم اٹھایا، ختم ہونے والی زندگی ختم ہو گئی اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے لئے عالم برزخ میں قدم رکھا۔

مولانا عثمانی کی ذات سے تھانہ بھون اور سہارن پور کی پوری تاریخ وابستہ تھی، آپ عالم تھے اور ذکی عالم فقیہ تھے، اور محدث رجال حدیث کے محقق تھے، اصول حدیث کے نہ صرف ماہر بلکہ اس علم کی مہمات کو کتب حدیث و رجال سے تلاش و جستجو کے ذریعہ جمع کرنے والے تھے، اکابر امت اور جہاۃ عصر کی توجہات کا مرکز رہے، مراکز علم میں علوم حاصل کئے اور مرکز صدق و صفائیں تربیت پائی، حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت و شفقت کے زیر سایہ تمام علمی و تصنیفی

کارنامے انجام دیئے، علمی جواہرات کو ملفوظات و تقریرات کی صورت میں قلم بند کرتے کرتے خود صاحب جواہرات بن گئے، نسبی نسبت نے علمی و عرفانی نسبت تک پہنچا دیا، تقریر و تحریر میں حکیم الامتؒ کے جلوے نظر آنے لگے، عربی کے ادیب تھے، شاعر تھے، عربی نظم و نثر پر یکساں قدرت تھی، علمی کمالات کے ساتھ مزاج میں حد درجہ سادگی تھی۔

مولانا عثمانیؒ کی وفاداری اور اخلاص شک و شبہ سے بالاتر تھا، بے شمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے، اگر ان کی تصانیف میں ”اعلاء السنن“ کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تو تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات حدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہان قاطع ہے، اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی، یہ کتاب ان کی تصانیف کا شاہکار اور فنی تحقیقی ذوق کا معیار ہے، علمی جواہرات کی قدر شناسی وہی شخص کر سکتا ہے جس کی زندگی اسی وادی میں گزری ہو، دور دراز مواقع اور غیر مظان سے جواہرات نکال کر خوبصورتی سے سجا کر رکھ دینا یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے، موصوف نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علمائے حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں گے، بلاشبہ اس بے نظیر کتاب میں حکیم الامت قدس سرہ کے انفس قدسیہ اور توجہات عالیہ اور ارشادات گرامی کا بہت کچھ دخل ہے، لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ذریعے ان کا ظہور پُر نور ان کے کمال کی دلیل ہے۔

۱۳۵۷ھ میں جب راقم الحروف قاہرہ میں مجلس علمی کی طرف سے ایک علمی خدمت پر مامور تھا اور میرے رفیق کار مولانا سید احمد رضا بجنوری تھے، اس وقت حکیم الامت قدس سرہ نے اعلاء السنن کے طبع شدہ اجزاء بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ جب تک تمہیں اس کی ضرورت

ہوا اپنے پاس رکھو اور ضرورت کے بعد حضرت شیخ محمد زاہد کو ہدیہ پیش کر دیں اور اگر ان کے ذریعہ قاہرہ میں عمدہ ٹائپ سے طبع ہو سکے تو بہت اچھا ہے اور بقیہ اجزاء غیر مطبوعہ بھی نقل کروا کر ارسال کر دوں گا، حضرت شیخ کوثریؒ اس وقت دنیائے اسلام کے محقق عالم اور نادرہ روزگار تھے اور علمائے احناف کے سرمایہ افتخار اور بے نظیر محقق، وسیع النظر متبحر عالم تھے، ترکی الاصل تھے، فتنہ کمالیہ میں وطن سے ہجرت کر کے مصر میں مقیم تھے، جب کتاب میں نے پیش کی تو حضرت نے مطالعہ کر کے فرمایا کہ احادیث احکام میں حنفیہ کے نقطہ نگاہ سے اس کتاب کی نظیر نہیں اور فرمایا کہ یہ مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ قدامت کی کتابوں میں بھی اس استیعاب و استیفاء کے ساتھ ادلہ حنفیہ کو جمع کر کے اس تحقیق و تنقیح کی مثال مشکل سے ملے گی اور پھر وہ تقریظ تحریر فرمائی جو کتاب کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

اعلاء السنن کا مقدمہ ”انہاء السکن“ کے نام سے تالیف فرمایا، یہ مقدمہ اصول حدیث کے نوادر اور نفائس پر مشتمل ہے، تمام کتب رجال اور کتب حدیث اور کتب اصول حدیث سے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ وہ نفائس جمع کر دیئے ہیں کہ عقل حیران ہے، بجائے خود ایک مستقل بے مثال کتاب ہے۔

حلب کے مایہ ناز عالم ربانی اور دنیائے اسلام کے محقق فاضل اور ہمارے مخلص و محترم کرم فرماتے شیخ ابو نعیم عبد الفتاح کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جنہوں نے مصنف سے اجازت لے کر کتاب کا نام ”قواعد التحدیث“ تجویز فرمایا اور اس پر قابل قدر تعلیقات و اضافات و مقدمہ لکھ کر علم اور اہل علم پر احسان عظیم فرمایا اور نہایت آب و تاب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ کیا کہ جسے دیکھتے ہی دل سے دعا نکلتی ہے کہ کتاب جس خدمت کی مستحق تھی الشیخ ابو نعیم اطلال اللہ بقاءہ نے اس خدمت کو خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ قیامت تک آنے والی نسلیں ان کی احسان مندر رہیں گی۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ اس شہید علم کی یہ کتاب ہی ان کی آئینہ کمالات ہے، اگر اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو صرف یہ ایک کتاب ہی کافی و شافی تھی حالانکہ ان کے قلم خوب رقم سے کتنے جواہرات مرصع خزانہ علم میں آئے ہیں، ان کی قابل رشک زندگی کا پہلو یہ ہے کہ آخر لمحہ حیات تک تدریس حدیث اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، ”اعلاء السنن“ کا پہلا حصہ جواہر السنن کے نام سے چھپا تھا وہ نامقبول ہوا تھا اور اس میں کچھ ایسی چیزیں آگئی تھیں جس سے کتاب کا حسن ماند پڑ گیا تھا، اس کو دوبارہ ادھیڑ کر ”خدماء صفا و دع ما کدر“ کے پیش نظر جدید تصنیف بنائی، حق تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس شہید علم پر جس نے آخری لمحہ زندگی کو خدمت علم میں خرچ کیا، مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت علوم کی سند حاصل کی اور وہیں عرصہ تک تدریس علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر ڈھا کہ وغیرہ میں رہے، کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں رہے اور آخری زندگی کے تقریباً بیس سال دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہہ یار میں گزارے، افسوس یہ سال علمی سانحوں سے لبریز ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی وفات ایک علمی حادثہ تھا اور اس کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت عثمانی کے عظیم سانحہ نے قلوب کو مجروح کر دیا، صدمہ اس بات کا ہے کہ ان اکابر کے رخصت ہو جانے سے ان کی مسند علم و فضل ہمیشہ کے لئے خالی ہو جاتی ہے اور کوئی اس کو پُر کرنے والا مستقبل میں بھی نظر نہیں آتا ہے، عرصہ دراز سے یہ دردناک سلسلہ یوں ہی جاری ہے، **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ**۔

حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو رحمت و رضوان کے درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائیں اور ان کے لئے اجر و ثواب کا عظیم سرمایہ بنائے اور ان کے زلات سے درگزر فرمائیں، آمین۔

مولانا محمد یوسف عباسی رحمۃ اللہ علیہ

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ کو مولانا محمد یوسف عباسی کا مردان میں انتقال ہوا، افسوس کہ غیر موجودگی کی وجہ سے بروقت مطلع نہ ہوسکا، مولانا مرحوم مردان کے قریب ”طورو“ نامی بستی کے باشندے تھے، متحدہ ہند کی مختلف درسگاہوں میں تحصیل علم کرتے ہوئے آخر میں حضرت مولانا برکات احمد ٹوکی مرحوم کی خدمت میں پہنچے اور معقول و فلسفہ کی کتابیں ان سے پڑھیں، خصوصی تعلق کی بنا پر حضرت موصوف کی توجہ کا خصوصی مرکز بن گئے اور انہیں بھی اپنے شیخ محترم سے انتہائی عقیدت ہوگئی، ۱۳۴۶ھ میں دورہ حدیث کے لئے ڈابھیل پہنچے، یہی سال میرے دورہ حدیث کا تھا، اس لئے میرا یہ ہمنام طالب علم، رفیق درس، رفیق مسکن اور رفیق معاشرت بنا، ہمارے درمیان تقریباً روزانہ مباحثہ رہتا تھا، میرا عقیدہ تھا کہ دور حاضر کے سب سے ممتاز ترین محقق اور جامع عالم حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔ مرحوم کا خیال یہ تھا کہ اس شان کے عالم حضرت مولانا برکات احمد ٹوکی ہیں، اس بحث کا فیصلہ اس دن ہوا جب ”صحیح بخاری“، ”کتاب الایمان“ کی ”حدیث ہرقل“، زیر درس آئی، جیسا کہ حضرت شیخ امام العصر کے اس درس کا طرہ امتیاز تھا، اس حدیث کی تشریح و تحقیق میں اسلامی تاریخ، یہودیوں کے عہد عتیق، شروح تورات اور تالمود وغیرہ کے حوالے آئے اور فلاسفہ کے علوم، ان پر تنقید اور دیگر بے شمار مباحث پر سیر حاصل بحث ہوئی، اس دن مولانا عباسی مرحوم کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی، درس سے فراغت کے بعد ان پر وجد و کیف کا ایک خاص حال طاری تھا اور زبان سے بے ساختہ

قرآن کریم کی آیت کا قطعہ ”و فوق کلّ ذی علم علیم“ جاری تھا، بار بار اسی کا تکرار کر رہے تھے، آج بھی ان کے وجد و کیف کا وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے، گویا انہیں اس عالم سے تعلق نہیں تھا، بس یہی آیت وردِ زبان ہے، مجھے اپنے دعویٰ کی تائید کا موقع مل گیا، میں نے پوچھا کہ اب بتاؤ بڑے عالم کون ہیں؟ اور وہ جواب میں یہی آیت دہراتے، بہت اصرار و تکرار کے بعد اعتراف کیا کہ آج یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت مولانا انور شاہؒ اس دور کے سب سے بڑے جامع و محقق عالم ہیں، بہر حال یہ مرحوم کی ذہانت و طباعی اور علمی شغف کا ایک واقعہ تھا جو نوکِ قلم پر آ گیا۔

اسی طالب علمی کے زمانہ میں راقم الحروف سے رفاقت اور شدید تعلق و محبت کے باوجود مرحوم میں علمی تنافس و تسابق کا جذبہ بھی غلو کی حد تک تھا، دورہٴ حدیث میں اول آنے کے لئے وہ محنت کی کہ بایں و شاید، اس وقت مشہور تھا کہ یوسفین میں سے کوئی اول آئے گا، اتفاق سے جب قرعہ فال راقم الحروف کے نام نکل آیا تو مرحوم کو قلبی قلق اور صدمہ ہوا جو مدت تک رہا، فراغت کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے تعلق بڑھ گیا تھا، انہی کے ذریعہ مسند تدریس پر پہنچے، بنارس میں خدمت تدریس کے ساتھ تجارت کا چسکہ پڑ گیا اور اس میں خاصا انہماک بلکہ غلو ہوا، مرحوم ازراہ ہمدردی اپنے ہر عالم دوست کو تجارت کی ترغیب دیا کرتے تاکہ عوام میں ذلیل نہ ہو۔ بہر حال یہ ممتاز طالب علم، ممتاز عالم اور پھر تاجر بن گئے، مردان کے ”ہوتی بازار“ میں تجارت تھی لیکن علم سے تعلق آخر تک رہا، کبھی درس قرآن، کبھی درس حدیث، کبھی محاضرات کی شکل میں فیض رسانی کرتے رہے، یہاں تک کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے، آمین۔

[محرم الحرام ۱۳۹۵ھ - فروری ۱۹۷۵ء]

مولانا محمد زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم جناب مولوی محمد زکی صاحب حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان کے بڑے صاحبزادے یومِ شنبہ ۱۱ محرم ۱۳۹۵ھ، ۲۵ جنوری ۷۵ء داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مرحوم ابھی ابھی تازہ تازہ دیارِ قدسِ حرمین شریفین کی حاضری سے واپس آئے تھے، فریضہ حج بیت اللہ کے ارکان والہانہ انداز سے ادا کئے، آستانہ برکاتِ مدینہ طیبہ کی حاضری بھی نصیب ہوئی، سفرِ حج میں لبیک لبیک کو ایسی قبولیت نصیب ہوئی کہ سفرِ آخرت کے لئے لبیک کہہ کر عالمِ آخرت کا سفر اختیار کیا، گویا حرمین شریفین میں قبولیت کے شرف سے متاعِ گراں مایہ کو عطا کر کے پُر آشوب دنیا سے ملوث نہیں کرایا گیا اور جلد ہی پاک و صاف کر کے اپنے پاس بلا لیا، بلاشبہ ایسی موت ہر عاقل کے لئے قابلِ رشک ہے اور بلاشبہ پسماندہ اکابر و اصاغر کے لئے اس قسم کی موت اور اس کا صدمہ قابلِ تسلی ہے، مرحوم نہایت ذکی، سنجیدہ، باوقار، مہمان نواز طبیعت کے مالک تھے، نہایت خلیق و طلیق تھے، شعر و سخن سے بہرہ ور تھے، ”کیفی“ تخلص رکھتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کو بڑھاپے میں اور پھر امراض کے ہجوم میں یہ صدمہ بلاشبہ عظیم صدمہ ہے لیکن ترقی و درجات کے لئے ارحم الراحمین کے شبنون و راء الوراء ہیں، حق تعالیٰ مرحوم کو رحمت و رضوان سے مالا

مال کر کے جنت الفردوس نصیب فرمائے، آمین۔ اور پسماندگان کو اجر جزیل و صبر جمیل نصیب فرمائے، آمین۔ الحمد للہ کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں تمام طلبہ نے ختم قرآن سے ایصالِ ثواب کیا اور اس طرح ایک ادنیٰ حق ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

[صفر المظفر ۱۳۹۵ھ - مارچ ۱۹۷۵ء]



سیدہ فاطمہ بنوریہ رحمۃ اللہ علیہا

بلاشبہ اس دنیائے کون و فساد میں موت و حیات کی سنت مستمرہ ایسی جاری ہے کہ بجز صبر و انقیاد اور تسلیم و رضا کوئی چارہ کار نہیں، جس طرح یہ ایک حقیقت ہے اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض حوادث اتنے صبر آزما ہوتے ہیں کہ بڑا حوصلہ مند انسان بھی حوصلہ ہار جاتا ہے۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۸ مارچ ۱۹۷۵ء کو میری ایک تیس سالہ بچی سیدہ فاطمہ (جس کو عرصہ دراز تک سلمہا لکھا کرتا تھا، آج رحمہا اللہ لکھنا پڑا) سالوں کے مصائب و آلام برداشت کر کے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سیدہ فاطمہ رحمہا اللہ کا مرثیہ درحقیقت صبر و شکر کا نوحہ و فریاد ہے، فاطمہ کی وفات کا صدمہ عبادت و تقویٰ کا رونا ہے، فاطمہ کا ماتم حیا و شرافت کا ماتم ہے، حق تعالیٰ نے مرحومہ کو وہ فطری کمالات عطا فرمائے تھے جو اس دور میں نہ کہیں دیکھے نہ سنے۔ فاطمہ پر آنسو بہانا درحقیقت بہت سے فضائل و بہترین خصائل کا رونا ہے، میں نے اپنی ستر سالہ زندگی میں اپنے عزیزوں اور اقرباء میں تو کیا اپنے حلقہ احباب و حلقہ تعارف اور اپنے دائرہ علم میں بھی ایسا پیکر صبر اور سر سے پیر تک شکر کا مجسمہ کہیں نہیں دیکھا نہ سنا، تقریباً اڑھائی برس کی عمر سے تیس سال تک مرحومہ جن آلام و امراض کا تختہ مشق بنی اس کے تصور سے رو نگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایک حادثہ میں ناک میں زخم سے ناسور ہو گیا۔ بارہ سال کی عمر میں اسی حادثہ کی وجہ سے بینائی سے محروم ہو گئی، بینائی کی

محرومی سے سالہا سال تک سر میں درد اور آنکھ کی پتلیوں کے درد و کرب میں مبتلا رہی، اسی عرصہ میں ایک بار گرگئی ہاتھ ٹوٹ گیا مگر کسی کو خبر نہیں کی خود غلط جڑ گیا۔ ایک بار ٹانگ جل گئی، کھال ادھڑ گئی، پھر بدن کے نچلے حصہ میں ایسا سترخا ہو گیا کہ جس سے بوٹی کاٹی جائے تو احساس تک نہ ہو، اس سے شفا یاب ہو گئی تو مرضِ دق میں مبتلا ہو گئی، مسلسل چار ماہ مکمل علاج کے بعد شفاء حاصل ہو گئی، پھر فالج کا حملہ ہوا پھر اچھی ہو گئی، دل کے امراض کا شدید و مدید ابتلاء پیش آیا۔ ان تمام امراض و اوجاع کو جس صبر سے برداشت کرتی رہی عقل حیران ہے۔ معمولی صحت و نعمت پر جس انداز سے شکر گزاری کرتی رہی وہ محض حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک حیرت انگیز کرشمہ تھا۔

ان مصائب و آلام میں راتوں کا جاگنا، عبادت کرنا، بارہ سال کے سن میں بصارت کے زوال کے بعد حفظ قرآن کی نعمت سے سرفراز ہوئی، تمام رات کو تلاوت و ذکر اللہ میں گزارنا، گھنٹوں سجدوں میں خشیتِ الہی سے آہ و بکا کرنا، آلام و مصائب پر آہ نہ کرنا، خوفِ خدا سے گھنٹوں آہ و بکا کرنا، کیا کیا کہا جائے اور کہاں تک لکھا جائے! اس طویل مصائب و حوادث کی زندگی میں الحمد للہ کہ دو سال حرمین شریفین کا قیام و سفروں میں نصیب ہوا، تین حج نصیب ہوئے، بے شمار عموں کی دولت ملی، پانچ سال کی عمر میں زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کی پہلی مرتبہ سعادت نصیب ہوئی تھی، راتوں کو جاگنا اور طواف کرنا اور آہ و بکا کی توفیق نصیب ہوئی۔

اِس سعادَت بزو ر بازو نیست

۲۹ سال کی عمر میں ازدواجی زندگی میں قدم رکھا، یہ سنت بھی پوری ہو گئی۔ ایک بچی سیدہ عاصمہ کی والدہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا، جو والدہ کی وفات سے چند ہی روز قبل ذخیرہ آخرت بنی، عقلاً تو مجھے سکون ہوا کہ مرحومہ کی پُرآلام حیات کا خاتمہ ہو کر حیاتِ جاودانی کی سعادت ملی اور حق تعالیٰ کی رحمت بے پناہ کی توقع پر انتہائی سکون کے لمحات مل گئے، لیکن جب ان مجسمہ

کمالات کی مفارقت کو دیکھتا ہوں اور ان کی طویل مظلومی و مسکینی و محرومی کی داستان سامنے آتی ہے تو طبعاً انتہائی صدمہ ہوتا ہے، زندگی میں عقل و طبع کے اس تجاذب و کش مکش کا ایسا ابتلا کبھی پیش نہیں آیا۔

ان مجاہدات و ریاضات میں حق تعالیٰ نے قرآن کریم کا عجیب و غریب ذوق مرحومہ کو عطا فرمایا تھا۔ ایسا شرح صدر ہوا کہ آیات کریمہ کے ایسے خواص کا انکشاف ہوا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ صبر و شکر کا یہ پیکر، رضا بالقضاء کی تصویر، نالہ و فریاد کا یہ مرغِ سحری ہم سے کیا جدا ہوا کہ قلب کا انس و سکون ختم ہوا، دل و دماغ پر، گھر کے درد یوار پر وحشت طاری ہوئی۔ گویا ایک نور کا وجود تھا جس کے غروب سے ظلمت چھا گئی، چھ سال کی عمر سے نو سال کی عمر تک تین سال میں ٹنڈوالہ یار میں لڑکیوں کے اسکول میں جو گھر سے متصل تھا، پانچ جماعتیں پڑھیں، اس معمولی تعلیم کی وجہ حساب میں وہ مہارت کہ حیرت ہوتی تھی۔ ان تمام امراض و تکالیف میں حافظہ کی قوت اور دماغ کا استحضار قابل حیرت تھا۔ مرض موت میں اپنے شوہر مولانا محمد انور بدخشانی سے تجوید و قرأت میں مقدمہ جزریہ پڑھا، منطق کی مشہور کتاب شرح تہذیب پڑھی، زبانی تفسیر قرآن پڑھتی رہی۔ تعجب ہے کہ یہ ہمت و قوت کہاں سے آئی، اس لئے فاطمہ کا ماتم درحقیقت بہت سے مفاء خرا و فضل و کمال کا ماتم ہے۔ حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر نازل ہوں۔ یہ تمام آلام و مصائب بارگاہِ قدس میں رفع درجات کا وسیلہ ہوں۔

اللهم اغفر لها وارحمها واعف عنها واكرم نزلها ووسع مدخلها
وارزقها داراً خيراً من دارها واهلاً خيراً من اهلها واغسلها بالماء والثلج
والبرد، ونفّھا من الخطايا كما تنقيت الثوب الابيض من الدنس وأدخلها
الجنة واعذها من عذاب القبر وعذاب النار واعظم لنا فی موتھا الاجر
وألھمنا الصبر آمین یا أرحم الراحمین.

۴ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ کو ریفقہ حیات داغ مفارقت دے گئی تھی، ٹھیک تین سال بعد اسی تاریخ ۴ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ کو یہ لخت جگر ہم سے جدا ہو گئی۔ ”بصائر وعبیر“ کا خامہ فرسا اپنے محسن قارئین بصائر وعبیر سے التجا کرتا ہے کہ بقدر فرصت و ہمت مرحومہ کو ایصالِ ثواب کر کے اجرِ آخرت سے سرفراز ہوں، بجائے خطوط، تعزیت و ہمدردی ایصالِ ثواب پر توجہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی
بہت سے خطوط تعزیت اور تارا حباب و مخلصین کے پہنچ رہے ہیں، فردِ افرڈِ اجواب
سے معذرت خواہ ہوں۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان محسنین کو جزاءِ خیر عطا فرمائیں، آمین۔
[ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ - مئی ۱۹۷۵ء]



الفقیدالراہل جلالۃ الملک

شاہ فیصل شہید رحمۃ اللہ علیہ

فما کان قیس ہلکہ ہلک واحد

لکنہ بنیان قوم تہدما

”بصائر وعبر“ کی کتابت ہو چکی تھی کہ یہ دردناک وحشت ناک خبر آج ۲۵ مارچ

۱۹۷۵ء، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ کو بجے شام پاکستانی ریڈیو نے نشر کی کہ شاہ فیصل کو ان کے ظالم بھتیجے نے گولی کا نشانہ بنا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مملکت سعودی کا یہ فرمانروا عصر حاضر کا سیاسی مفکر، اسلامی اتحاد کا داعی، جہاد فلسطین و قدس کا علمبردار، شعائر اسلام کی حفاظت میں بے مثال غیور فرمانروا تھا، ان کی شہادت پر جتنا ماتم و نوحہ کیا جائے کم ہے۔ اس نازک ترین دور میں عرب و اسلامی دنیا کو ان کی بڑی ضرورت تھی، اس وقت یہ پاسبان حرم اور خادم الحرمین الشریفین صرف حرمین و حجاز اور ریاض کا پاسبان نہ تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ تمام عالم اسلامی اور تمام ممالک عربیہ کا پاسبان تھا، عرصہ کے بعد مسلمان و عرب سلاطین میں ایسا معتدل المزاج مدبر فرمانروا پیدا ہو گیا تھا، جس کے تدبیر و سیاست نے برطانیہ و امریکہ کو پریشان کر رکھا تھا، جس کے جود و کرم، نوال و عطا اور جود و سخا نے تمام پارینہ داستانوں کو پارہ پارہ کر دیا تھا، جس کے حسن اخلاق اور بردباری نے دشمنوں کو دوست بنا لیا تھا، جس نے مصری سادات

حکومت پر رحم و کرم کے خزانے کھول دیئے تھے۔ اسے ۷۵ ملین ٹن پیٹرول دیا، سقوط نہر سوز کا ابتداء سے آج تک جتنا خسارہ ہوا وہ سب پورا کر دیا، نہر سوز کے شہر پورٹ توفیق کو جو اسرائیل کی بمباری سے تباہ و برباد ہو گیا تھا مکمل طور پر دوبارہ آباد کرنے کا تکفل کیا۔ جس نے مصری حکومت کی اعانت کے لئے جہاد فلسطین و قدس کے واسطے مصر میں دو بینک کھول دیئے اور یہ اعلان کیا کہ اس مقصد کے لئے جتنی امداد کی ضرورت ہو وصول کر لیا کریں۔ جس نے شام کی حکومت کو ۳۵ کروڑ ڈالر بطور قرض ۱۵ کروڑ ڈالر کی امداد اور بیس کروڑ ڈالر ترقیاتی کاموں کے لئے دینے منظور کئے، جس نے عمان کی حکومت کو ایک کروڑ پچاس لاکھ ڈالر ماہانہ اور ڈیڑھ کروڑ ڈالر اپنی آمد کے موقعہ پر بطور خاص دینے کا اعلان کیا تھا، جس نے تنظیم آزادی فلسطین کو پچاس لاکھ ڈالر سالانہ امداد دینے کا اعلان کیا تھا، جس نے پاکستان کے زلزلے میں ایک کروڑ ڈالر کا عطیہ دیا، سربراہ کانفرنس میں تیس کروڑ کا عطیہ دیا، جس نے پاکستان کی سلامتی اور امداد میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

یہ تو مرحوم کے دریائے سخا کے چند قطرے ہیں، ورنہ عالم اسلام میں ان کی سخاوت و جود کی نہریں بہہ رہی ہیں، اپنی یازدہ سالہ حکومت میں عرب اور مسلمانوں پر وہ عظیم احسانات کئے جو قیامت تک دنیا یاد رکھے گی۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے زمین کے خزانے کھول دیئے تھے۔ ۲۹ ارب ڈالر سالانہ تک تیل کی آمدنی پہنچ گئی تھی، لیکن الحمد للہ کہ اس مرد حق نے بھی خوب شکر ادا کیا، مسلمانوں کی امداد کے لئے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ ان کی موت بلاشبہ تمام عالم اسلام کے لئے دور حاضر کا سب سے بڑا المیہ ہے، عرب سیاست میں ان کی رحلت سے جو خلا پیدا ہو گیا بمشکل پُر ہوگا۔ ان کے بھتیجے فیصل بن مساعد کے ہاتھ سے یہ حادثہ کبریٰ پیش آیا۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

خدا کا شکر کہ مرحوم عمر کے آخری مراحل میں نالہائے سحری کے عادی ہو گئے تھے، نماز کے پابند تھے، مزاج میں تواضع و مسکنت کی انتہاء تھی۔ راقم الحروف کو دو مرتبہ خصوصی ملاقاتوں میں قریب سے قریب تر ہو کر ان کی شخصیت کو پڑھنے اور دیکھنے کا موقع ملا تھا اور ان کے وقار و متانت اور اسلامی ہمدردی کے گہرے نقوش قلب پر مرتسم ہو گئے تھے، حق تعالیٰ ان کے زلات کو معاف فرمائے اور جس طرح دولت کے خزانے ان کی زندگی میں ان کے لئے کھول دیئے تھے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد اپنی عفو و مغفرت اور رحمت بیکراں کے دروازے ان پر کھول دے، دولت و ثروت کی زوال پذیر سلطنت کے بدلے محض اپنے فضل و کرم سے رحمت و رضوان کی لازوال سلطنت انہیں نصیب فرمائیں (آمین) اور ان کے جانشین خالد بن عبدالعزیز کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں (آمین)۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ - مئی ۱۹۷۷ء]



مولانا عبدالودود مردانی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ صفر ۱۳۹۵ھ میں گڑھی کپورہ ضلع مردان کے ہمارے ایک مخلص و صالح عالم دین مولانا حافظ عبدالودود صاحب واصل بحق ہوئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے تمام عمر سلف کے طرز پر حفظ قرآن سے لے کر درسی علوم کے مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں، خاموشی کے ساتھ قناعت کی زندگی بسر کی، جمعیت العلماء احناف یوسف زئی کے ناظم اعلیٰ بھی تھے، کچھ عرصہ جمعیت علماء اسلام کے لئے شیخ الاسلام حضرت الاستاذ عثمانی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ مرحوم سنجیدہ باوقار اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے، حضرت مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ بہبودی والوں سے شرف بیعت بھی حاصل تھا۔ اس طرح تھانوی سلسلہ کے فیض یافتہ تھے، تراویح میں ختم قرآن کریم کا معمول رہا، صرف آخری رمضان المبارک میں علالت کی وجہ سے صرف ۲۲ پارے سنائے مگر ختم نہ کر سکے۔ شب وفات میں عشاء کی نماز باجماعت کی سعادت نصیب ہوئی، تہجد کے لئے پانی رکھوایا، عین تہجد کے وقت آخری شب میں روح نفس غصری سے پرواز کر گئی۔ حق تعالیٰ مغفرت و رحمت و رضوان کے مقامات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ - جون ۱۹۷۵ء]

آہ! علامہ ابوالوفاء قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

نشستہ در ظلم با قمر چه کار مرا
چراغ تیرہ ششم با سحر چه کار مرا
حضرت مولانا ابوالوفاء قندھاری افغانی کی روح مبارک ملا اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی،
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

إذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون۔

آج رات ۲۵، ۲۶ جولائی ۱۹۷۵ء کی درمیانی رات شنبہ ۱۷ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ
حیدر آباد دکن سے ایک تاریہ دردناک خبر لے کر آیا کہ حضرت مولانا ابوالوفاء قندھاری پاكستان، ٹیلیگرام
۲۳ جولائی کا ہے، نہ معلوم وصال کب ہوا۔ افسوس کہ ان چند ماہ میں آسمانِ علم کے کیسے کیسے
آفتاب و ماہتاب اور درخشاں ستارے یکے بعد دیگرے غروب ہوتے گئے۔ بصائر و عبر کے مرثیہ
خوان قلم کی روشنائی خشک ہونے سے پہلے نوبہ نو مصیبت کی مرثیہ خوانی کرنی پڑ رہی ہے، حضرت
والا مولانا سید محمد زکریا رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کی جان کاہ مصیبت کا پہاڑ سر پر ٹوٹا، جس نے
دماغ کو پاش پاش کر دیا، ان ٹکڑوں کو سمیٹنے سے فرصت نہیں ملی تھی کہ ایک باخدا عالم، گمنام درویش، دور
حاضر کے ولی اللہ، پارسا، متقی، زاہد، فقہ حنفی کے محقق، حنفیہ کے محسن اعظم، فاضل قندھاری کی وفات
نے حواس باختہ کر دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

افغانستان و قندھار کا یہ مایہ ناز عالم جس نے حیدر آباد دکن کو اپنا گہوارہ علم بنالیا تھا، ان کے کمالات و صفات کے بیان کے لئے دفتر چاہئے۔ وہ فقہ حنفی کے امام تھے، قدماء حنفیہ کی کتابوں کے حافظ تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے عاشق تھے، جس دیدہ ریزی سے ان ائمہ کی کتابوں کو دنیا کے گوشہ گوشہ سے جمع کر کے ان کی حفاظت کرتے تھے اور پھر ان کی اشاعت کے انتظامات کرتے تھے آج کی دنیا اس کا اندازہ لگانے سے بھی قاصر ہے، زہد و تقویٰ کا یہ پیکر مجسم جس مقام پر پہنچا تھا یہ عیش پرست دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی، ورع و خشیت کا جو درجہ ان کو نصیب تھا عصر حاضر کا گمان بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔

حیدر آباد دکن جیسے شہر میں جس کی عیش پرستی کے سیلاب میں پہاڑ بھی بہہ گئے اور جہاں بڑوں بڑوں کے قدم بھی پھسل گئے، اس مرد خدا کے پائے استقامت کو کیا مجال کہ ذرہ برابر بھی لغزش ہوئی ہو، مرحوم صحیح معنی میں عالم باعمل تھے، قرآن کے حافظ تھے، عشرہ قرأت کے عالم تھے، تجوید و قرأت میں دو کتابوں کے مصنف تھے، رات کو جب اٹھتے تھے تو جب تک وضو کرتے تھے اور نماز کی تیاری کرتے تھے دردناک فارسی اشعار پڑھتے تھے اور خوب رویا کرتے تھے، پھر تہجد میں طویل طویل قیام کرتے تھے اور دردناک لہجے میں اس والہانہ انداز میں قرآن کریم کی قرأت کرتے کہ سننے والوں کو ٹڑپا دیا کرتے تھے اور بسا اوقات آہ و بکا کی کیفیت طاری ہوتی تھی، صبح کی نماز خود پڑھایا کرتے، طوال مفصل کی بڑی سورتیں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی نماز میں حفص رحمہ اللہ کی قرأت کے علاوہ بقیہ قرأت سبعہ میں سے کوئی قرأت پڑھا کرتے تھے۔ مدرسہ نظامیہ حیدر آباد دکن میں عرصہ دراز تک مدرس اور استاذ رہے تھے، بعد میں معمولی سی پنشن ہو گئی تھی، بس اسی حقیر سی پنشن سے قوت لایموت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ کسی رئیس جاگیر دار کا نہ کھاتے تھے، نہ کسی حیدر آبادی رئیس و جاگیر دار کی دعوت قبول کرتے تھے۔ وہ جاگیر دار جو صالحین میں شمار ہوتے تھے کبھی ان کے یہاں بھی چائے کا ایک گھونٹ تک نہیں پیا، باوجود اس کے یہ تمام حضرات رؤساء

وجاگیرداران سے ایسی عقیدت رکھتے اور ان کا ایسا احترام کرتے تھے کہ عقل حیران ہے، کمال یہ ہے کہ کبھی ان رؤسا کے یہاں ملنے جایا کرتے تھے لیکن نہ چائے نہ پانی۔

عالم ہو یا غیر عالم، غنی ہو یا فقیر کسی کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتے، خیرات و صدقات تو کجا! نہایت مخلصانہ ہدیہ جو بغیر اسراف کے ہو وہ بھی کبھی قبول نہیں کیا، یہ ان کا ایک خاص اضطرابی ذوق تھا، کسی کی حجت و دلیل نہیں سنتے تھے، اس سلسلہ کے بڑے دل چسپ واقعات ہیں۔^(۱)

مولانا محمد انوار اللہ صاحب مرحوم کے شاگرد رشید تھے، اکثر کثرت میں حیدر آباد دکن میں مرحوم سے پڑھی تھیں، اس لئے حیدر آباد دکن بعد میں ان کا مسکن اور وطن ثانی بنا، موصوف کی

(۱) یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے، جو خود حضرت بنوری مدظلہ کو پیش آیا، وہ حضرت ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ ایک زمانہ میں مولانا مرحوم پر تنگی کا ایسا دور تھا کہ کئی کئی دن کا فاقہ ہوتا، مجھے (حضرت بنوری کو) مرحوم کا اصول معلوم تھا کہ وہ کسی کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا کرتے، میں نے مولانا محمد موسیٰ میاں افریقی کو مولانا کے بارے میں لکھا، انہوں نے مرحوم کے نام بغیر کسی تعارف کے کچھ رقم بھیجی، مرحوم نے مجھے ڈاک بھیل خط لکھا کہ یہ افریقہ میں کون صاحب ہیں جنہوں نے مجھے رقم بھیجی ہے، اور میرا پتہ ان کو کس نے بتایا؟ اور یہ کہ میں اس رقم کو واپس کرنا چاہتا ہوں اس کی واپسی کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟ میں نے کہا کہ یہ ایک خیر عالم ہیں علماء کرام کو عموماً ہدایا بھیجتے رہتے ہیں، ان کو آپ کے نام سے واقفیت ہوگی، اس لئے انہوں نے آپ کو بھی ہدیہ بھیج دیا ہوگا، آپ اسے واپس نہ کیجئے بلکہ قبول فرما لیجئے۔ آپ کو وہ حدیث معلوم ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ مال عطا فرمانا چاہا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کسی ایسے شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”بغیر اشراف نفس کے کچھ مل جائے تو اسے قبول کر لیا کرو“ اور آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ زاہد نہیں، لہذا آپ بھی اس ہدیہ کو جو اشراف نفس کے بغیر آیا ہے رد نہ فرمائیے۔ مرحوم نے اس کے جواب میں لکھا کہ تم نے یہ حدیث نہیں پڑھی کہ ”البد العلیا خیر من البد السفلی“، میں نے لکھا کہ اول تو یہ حدیث ہدیہ سے متعلق نہیں بلکہ صدقہ سے متعلق ہے، علاوہ ازیں ”ید علیا“ کی ایک تفسیر لینے والے ہاتھ سے بھی کی گئی ہے۔ بہر حال آپ کے پاس اس ہدیہ کے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مرحوم نے پھر لکھا کہ میں یہ دروازہ ایک دفعہ بند کر چکا ہوں، اب تمہاری تلقین سے اس کو کھولنا نہیں چاہتا، بس مجھے یہ بتاؤ کہ یہ رقم کیسے واپس کی جائے؟ اس کے بعد خط آیا کہ اب مجھے طریقہ معلوم ہو گیا ہے۔ بہر حال اس شدید تنگی میں بھی موصوف نے اس رقم کا ایک حبہ تک استعمال نہیں کیا بلکہ پوری کی پوری رقم واپس کر کے دم لیا۔ کیا اس حرص و طمع کے دور میں اس کی نظیر مل سکتی ہے؟ اس نوعیت کے نہ جانے کتنے واقعات مرحوم کو پیش آئے ہوں گے۔ مدیر)

زندگی کا سب سے بڑا قابلِ صد فخر کارنامہ ”احیاء المعارف النعمانیة“ جیسے ادارے کی تاسیس ہے، اس ادارے کا اساسی مقصد یہ تھا کہ حضراتِ ائمہ کرام، امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد بن الحسن شیبانی رحمہم اللہ کی اصلی کتابوں کو مہیا کر کے تعلیقات و مقدمات کے ساتھ عمدہ سے عمدہ صورت میں شائع کیا جائے۔ اس کے بعد طبقہ ثانیہ و ثالثہ کے ائمہ فقہا حنفیہ کی تالیفات کی خدمت کی جائے۔

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ جیسی ہستی اس ادارے کی معاون رکن بن گئی اور جیب خاص سے ایک رقم بھی عطا فرمائی، اس لحاظ سے حضرت شیخ کی رہنمائی اور اعانت کا شرف اس ادارے کو حاصل رہا اور حضرت شیخ کی رہنمائی سے ہی یہ معلوم ہوا کہ قاہرہ میں ایک محقق حنفی عالم الشیخ محمد زاہد کوثری موجود ہیں، چنانچہ امام العصر کے بعد دوسری ہستی، محقق روزگار، متصلب حنفی، وسیع النظر، ترکی علامہ کی سرپرستی بھی ان کو نصیب ہوئی، ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۷۱ھ تک مدۃ العمر حضرت شیخ کوثری اس ادارے کے بے نظیر علمی معاون اور رہنما رہے، نہ صرف رہنما بلکہ مقدمات و تعلیقات میں نام بے نام اصلاح فرمایا کرتے تھے اور استنبول کے علمی کتب خانہ کے نوادرات کی اطلاع دیا کرتے تھے، اور ان کے نوٹوں وغیرہ منگوانے میں ان کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے اور طباعت کے لئے کتابوں کا انتخاب ان کی رائے سے ہوتا تھا، قاہرہ میں شیخ رضوان محمد رضوان ان کی رہنمائی سے وکیل احیاء المعارف منتخب ہوئے، جن کی کوششوں سے احیاء المعارف کی کتابیں قاہرہ میں آب و تاب سے عمدہ تصحیح کے ساتھ چھپنی شروع ہو گئیں، حضرت شیخ کوثری کی رہنمائی ہی سے ادارہ نادر ترین مخطوطات سے مالا مال ہو گیا اور امام ابو زید دہلوی اور امام جصاص کی نوادر مؤلفات ادارے میں پہنچ گئیں، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری کا امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہم اللہ کی وجہ سے ادارے سے تعلق ہوا، ”کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ“ انہی کی تصحیح و مقابلہ و تعلیقات سے حیدرآباد میں طبع ہوئی، رفتہ رفتہ مجلس علمی ڈابھیل کی بھی توجہ ہوئی اور

امام محمد بن الحسن کی کتاب الآثار کی شرح مولانا ابوالوفا صاحب رحمہ اللہ سے لکھوانے کی خواہش کی، جس کی دو جلدیں طبع ہو گئیں اور غالباً شرح پوری نہ ہو سکی یا طباعت پذیر نہ ہو سکی۔ راقم الحروف بنوری کو ۱۳۵۰ھ میں اس ادارے کی مجلس عاملہ کا رکن منتخب کیا گیا۔ بعد میں غالباً مولانا عبدالرشید نعمانی کو بھی ادارے کا ممبر بنایا، الغرض احیاء المعارف النعمانیہ کے ذریعہ جس طرح ٹھوس علمی خدمت کی اور قدماء ائمہ اور قدماء فقہاء حنفیہ کی کتابیں عمدہ ترین ٹائپ میں تعلیقات و مقدمات کے ساتھ شائع کرتے رہے، یہ قیامت تک ان کی یادگار رہے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ ان کے لئے صدقہ جاریہ رہے گا۔

احیاء المعارف النعمانیہ کی جس انہماک و شغف اور عشق و محبت سے علمی خدمت کی اس کی نظیر ہم نے نہ کبھی دیکھی نہ سنی اور اگر نہ دیکھتے تو یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایسی کوئی ہستی بھی ہوگی جو اس اس انداز سے خدمت کرتی ہو۔ شب و روز علاوہ عبادت و سحر خیزی کے یا تصحیح و مقابلہ ہے یا تعلیق کا کام ہے اور کمال تو یہ تھا کہ خود ایک حہ تک کا معاوضہ مجلس سے نہ لیتے تھے اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ دوسرا شریک کا مقابلہ کے لئے بھی ایسا ملے کہ معاوضہ نہ دینا پڑے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدر آبادی متع اللہ الامۃ بخدماتہ الدینیۃ جو آج کل پیرس میں قیام پذیر ہیں، وہ ادارے کی مجلس عاملہ کے رکن تھے ان سے بھی مقابلہ و تصحیح کی خدمات لیتے تھے، انتہائی بوس تکلیف کی زندگی گزارتے تھے اور انتہائی معمولی حقیر پنشن پر زندگی بسر کرتے تھے لیکن کیا مجال کہ کوئی معاوضہ مجلس سے وصول کریں، آج انہی کے اخلاص و احتیاط کی برکت سے ادارے کے کتب خانے میں بے شمار علمی مخطوطہ نوادر کا ذخیرہ جمع ہو گیا اور مطبوعات کا بڑا سرمایہ فراہم ہو گیا، خود مرحوم کا بڑا نادر کتب خانہ تھا، نہ معلوم کہ ان ذخائر علمیہ اور علمی خزانوں کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ حضرت مرحوم نے تجرد کی زندگی گزاری اور تمام زندگی علمی خدمات کی نذر کی اور تقریباً

پچاس برس تک احیاء المعارف کی جلیل القدر قابل رشک خدمات انجام دیں، مرحوم کی برکت سے کتب ستہ میں سے پہلی مرتبہ الجامع الکبیر مصنفہ امام محمد بن الحسن عمدہ تعلیقات و مقدمہ کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہوگئی اور امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کا پہلی مرتبہ دنیائے علم کو علم ہوا کہ امام ابو یوسف کی بھی کتاب الآثار ہے، مرحوم ہی کی کوشش سے حکومت کے مطبعہ دائرۃ المعارف سے امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب المبسوط شائع ہونی شروع ہوئی۔

اس شہید علم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں جس نے اس پر آشوب دور میں سلف صالحین کی یاد تازہ کر دی، میرا انتہائی اصرار رہا کہ ادارے کو پاکستان کراچی منتقل فرمادیں، میری طرف سے ہر ممکن امداد سے دریغ نہ ہوگا کیونکہ مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کے بعد ادارے کا مستقبل تاریک ہے اور اس شمع فروزاں کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا، میرے اصرار پر بات سمجھ میں آگئی تھی اور وعدہ فرمایا کہ اگر ارکان مجلس راضی ہوں تو میں اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھاؤں گا لیکن افسوس کہ یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، کاش اگر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدر آباد میں ہوتے تو شاید ادارے کی حیات کی صورت باقی ہوتی، مقدرات کا کیا چارہ کار کیا جائے، تفصیلات تو معلوم نہیں لیکن اجمالاً تو مایوسی ہے، خدا کرے کہ مایوسی کی اس شب دیبجور میں کوئی امید کی کرن پیدا ہو۔

مولانا ابوالوفاتندھاری افغانی کی وفات سے ورع و زہد کا ایک پیکر، تقویٰ و خشیت الہی کی قوی روح، جہد و سعی کا ایک حیرت انگیز نمونہ، سلف صالحین کی عجیب یادگار، بوس و خمول کی حیثیت سے ہو یا قناعت و زہد کی جہت سے ہو ایک عظیم ترین شخصیت دنیا سے رخصت ہوگئی، بس اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ ایک ضعیف و نحیف جسم میں قدیم ترین سلف کی روح جلوہ گر ہوگئی تھی، عصر حاضر میں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، علم و عمل، شب خیزی اور نالہائے سحر کی یہ بلبل

ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا، بہارِ دنیا میں جو روز افزوں خزاں کی ہوائیں چل رہی ہیں۔ بجز قدرتِ خداوندی کوئی توقع نہیں کہ دوبارہ اس چمنستانِ دہر میں ایسا گلِ دستہ نمودار کرے جس کی خوشبو سے دماغِ علم معطر ہو، و فی اللہ عزاء من کل فائت۔ حق تعالیٰ ان کی روح پر فتوحِ پر جنت الفردوس کے دروازے کھول دے اور نعیمِ جنت کے رحمت و رضوان کے وہ مقاماتِ عالیہ نصیب فرمائے جو ارحم الراحمین کی رحمتِ ازلیہ کے شایانِ شان ہوں۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اللّٰهُمَّ اَرْحَمْهُ، اللّٰهُمَّ اَرْفَعْ دَرَجَاتِهِ عِنْدَكَ فِي مَقْعَدِ صَدَقِ
يَا رَبُّ الْعَالَمِينَ.



قاری محمد حسن امر و ہوی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم قاری محمد حسن صاحب امر و ہوی نے جمعرات ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۷۵ء صبح کو داعی اجل کو لبیک کہا، مرحوم قاری محمد صدیق بگالی استاذ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے شاگرد رشید تھے، لیکن اپنی خداداد قابلیت اور موزونیت طبع سے حسن تجوید و حسن قرات اور حسن تلاوت کے اس مقام پر پہنچے تھے کہ متحدہ ہندوستان میں ان کی کوئی ہمسر ہی نہیں کر سکتا تھا، میں نے اپنی زندگی میں اتنا موثر پڑھنے والے قاری کو کبھی نہیں دیکھا، نہایت وقار و خشوع کے ساتھ دردناک آواز میں اس انداز سے تلاوت فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قرآن آج نازل ہو رہا ہے، خصوصاً فجر کی نماز میں سننے والوں پر ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ دنیا و مافیہا سے غائب ہو جاتے تھے۔ رنگون، راندیر، سورت، ریاست قلات میں زندگی گذاری، آخری زندگی کراچی میں گذری۔

افسوس کہ کوئی اپنا شاگرد رشید ایسا نہیں چھوڑا جس سے ان کی یاد تازہ ہو، طبیعت میں انتہائی ظرافت تھی، خوش مزاج مرنج مرعجان تھے، ان میں محاکات کا مادہ غضب کا تھا، جب کسی کی نقل اتارتے تو اصل سے یہ نقل بڑھ جاتی تھی، کبھی کبھی مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں بعد عصر تشریف لایا کرتے تھے، ان کی آمد سے اچھی خاصی محفل قرأت آراستہ ہو جاتی تھی، طلبہ سے قرآن سنتے اور خود بھی سناتے، اچھے پڑھنے والوں کے بڑے قدردان تھے اور ان کی قراءت سے بے حد محظوظ ہوتے تھے۔ افسوس کہ راقم الحروف اپنی علالت کی وجہ سے نماز جنازہ میں شرکت سے محروم رہا۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، وارفع درجاتہ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔

مولانا ابو احمد عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

پنج شنبہ ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۵ھ، مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۷۵ء کو قبیل مغرب
گو جرانوالہ میں حضرت مولانا ابو احمد عبداللہ لدھیانوی کا قریباً ۹۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا،

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

مرحوم موضع بلیہ وال ضلع لدھیانہ (مشرقی پنجاب) کے ایک علمی خاندان کے چشم
و چراغ تھے، مرحوم کو مولانا نور احمد امرتسری، مولانا مفتی محمد حسن، مولانا سلطان محمود، امام العصر
مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (نور اللہ قبور ہم) سے
شرف تلمذ حاصل تھا اور حضرت مفتی محمد حسنؒ کے خلیفہ مجاز تھے، حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے دست
مبارک سے انہیں حدیث کی سند اجازت لکھ کر دی تھی، جو ایجاز کا اعلیٰ نمونہ ہے، تبرکاً اس کا متن
درج ذیل ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ ونصلی علی نبیہ الکریم وبعد!

فان الصالح السعيد المولوی عبد الله قد قرأ الامهات الستة في الحديث،

فأنا اجيزه باذن الله واوصيه بالبر والتقوى والله الموفق والمعین.

العبد

محمود عفی عنہ

یکم ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

مرحوم نے زندگی کا طویل سفر اپنے اسلاف و اکابر کے نقش قدم پر طے کیا، مدۃ العمر تعلیم و تدریس اور ارشاد و تلقین کے پاکیزہ مشاغل میں منہمک رہے، تقسیم سے قبل لدھیانہ وغیرہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور تقسیم کے بعد گوجرانوالہ میں آ رہے اور وہاں ”دارالعلوم نعمانیہ“ کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا، جس کے آخر دم تک مہتمم رہے۔ قیام پاکستان کے بعد موصوف عالم اسلام کے اتحاد اور ارباب حکومت کی اصلاح کے لئے متفکر رہا کرتے تھے، ان پر پاکستان کے ارباب حل و عقد، اعلیٰ افسران، فوجی حکام اور عالم اسلام کے سربراہوں اور چیدہ شخصیتوں کو دینی دعوت دینے کا جذبہ غالب آ گیا تھا۔ ان کا یہ احساس تھا اگر عالم اسلام کے ذمہ دار افراد کا رخ اسلام کی طرف پھر جائے اور وہ اسلام کو ایک ضابطہ حیات اور ایک لائحہ عمل یقین کر کے صدق دل سے اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو مسلمان آج بھی اقوام عالم سے آگے نکل سکتے ہیں، اس پیغام کو متعلقہ حضرات تک پہنچانے کے لئے موصوف نے ایک ادارہ تصنیف و تالیف قائم کیا تھا، جس کے زیر اہتمام متعدد کتابیں خود مرتب کر کے ہزاروں کی تعداد میں شائع کیں اور اعلیٰ حکام اور سربراہان عالم اسلام کے نام ارسال کیں۔ حق تعالیٰ شانہ مرحوم کو اپنی رحمت و رضوان سے نوازے اور ان کے گرامی قدر صاحبزادگان مولانا عبد الواسع، مولانا محمد اسماعیل، مولانا حافظ محمد طاہر اور مولانا محمد احمد کو ان کا صحیح جانشین بنائے، آمین۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ - ستمبر ۱۹۷۵ء]



مولانا فاروق احمد بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء حضرت مولانا فاروق احمد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے بہاول پور کے ان جلیل القدر علماء کرام کی یاد تازہ ہو گئی جن میں شیخ الجامعۃ العباسیہ مولانا غلام محمد گھوٹوی، مولانا احمد علی، مولانا محمد صادق، مولانا عبید اللہ، مولانا محمد علی رحمہم اللہ تعالیٰ کی جیسی نادر روزگار شخصیتیں شامل ہیں۔ مولانا سہارنپور کے علمی خاندان کی یادگار تھے اور بڑے اعظم کے مشہور عالم دین مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ بہاول پور میں نصف صدی سے ادھر کا عرصہ قال اللہ وقال الرسول اور درس و تدریس میں گزارا، باوجود پیرانہ سالی اور کمزوری کے ابھی تک مرحوم کے فیوض کا سلسلہ جاری تھا جس سے اہلیان بہاول پور محروم ہو گئے۔ مرحوم کی قیام گاہ مرجع خاص و عام ہوتی تھی۔ صبح اور شام کے اوقات میں بے شمار مخلوق آپ کی فیوض و برکات سے فی سبیل اللہ مستفیض ہوتی تھی۔ اس قحط الرجال کے دور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وجود کسی نعمت عظمیٰ سے کم نہ تھا جس سے اہلیان بہاول پور محروم ہو گئے۔ مولانا نے ۲۷/ رمضان المبارک کو داعی اجل کو لبیک کہا اور ۲۷، ۲۸/ رمضان المبارک کی درمیانی بابرکت شب کو علماء، صلحاء، حفاظ اور عوام و خواص کے اجتماع عظیم نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی، جس کے بعد ایک اشک بار جم غفیر کی موجودگی میں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں جگہ دیں۔ آمین۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مولانا گل محمد سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

یوم الجمعہ ۲۱ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ، دسمبر ۷، کو میری دوسری اہلیہ کے والد ماجد مولانا گل محمد صاحب سکھریں واصل بحق ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

مرحوم کے اخلاص، کرم نفس، جود و سخا، ہمت و مردانگی، جفا کشی، غیرت دینی، مکارم اخلاق کا مجھے پہلے سے علم ہو چکا تھا، دو سالہ تعلق کے عرصہ میں ان کے اوصاف حمیدہ کا مشاہدہ بھی ہوتا رہا، طویل ترین علالت کے دوران ان کی استقامت و صبر کو دیکھ کر حیرت ہوئی، آخر میں دق و سل جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوئے لیکن کیا مجال کہ ان کی خوش خلقی اور صبر و تحمل میں ذرا بھی فرق آیا ہو، کبھی اپنی تکلیف کی کسی سے شکایت نہیں کی، حکایت حال کے طور پر کچھ زبان پر کبھی آیا تو آیا، خواص میں اس قسم کے کمالات ہوں تو زیادہ تعجب نہیں ہوتا لیکن عوام امت میں ایسے قابل رشک صفات یقیناً باعث تعجب ہیں۔ حق تعالیٰ کی اس مخلوق کے گناہوں میں نامعلوم کتنے اولیاء اللہ ہیں جن کا کسی کو علم نہیں، اگر مشاہیر میں یہ کمالات و محاسن موجود ہوں جب بھی قابل قدر ہیں لیکن غیر مشہور گناہ شخصیتوں میں اس قسم کے محاسن حیرت افزا ہیں، خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کا تمام خاندان صالحین و اہل علم کا ہے، ان کے والد ماجد حضرت مولانا شیر محمد صاحب مستند عالم اور باخدا شخصیت تھی، صرف ونحو کے تو امام تھے، حضرت عارف سندھی مولانا حماد اللہ ہاليجوی سے بیعت و اصلاح کا تعلق تھا، بارہا ملاقات ہوئی، ان کی بزرگانہ شفقت و اخلاص کا ممنون و معترف ہوں، مرحوم انوار العلوم سکھر کے روح رواں تھے، اس کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں تھے، ان کی اہلیہ

محترمہ طلبہ کے لئے سکھر کی گرمی میں سالن اور روٹی اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتی تھیں اور صبح و شام گھنٹوں یہ صبر آزمایہ خدمت انجام دیا کرتی تھیں اور اب بھی کرتی ہیں، بیماری و علالت میں کبھی کوئی نماز فوت نہیں ہوئی، جس رات صبح کو وفات مقدر تھی اشارے سے تہجد پڑھی اور سورہ رحمن و سورہ یس کی تلاوت کی اور تبسم کیا، تیمار داروں کو الوداع کہا، سب کو صبر کی تلقین کی، جزع و فزع اور آہ و بکاء روکنے کی وصیت کی، جمعہ کی صبح اذان کے بعد بھائیوں اور بیٹوں کو نماز کے لئے جانے کا حکم دیا اور اس دوران ان کی روح ملا اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ جنت الفردوس میں درجات عالیہ نصیب فرمائے اور رحمت و رضوان و مغفرت کے مقامات عالیہ سے سرفراز فرمائیں، آمین۔ میری اہلیہ کو اسی جمعہ کی رات یعنی وصال سے چند لمحے قبل خواب میں زیارت ہوئی صبر و استقامت کی تلقین کی، دنیا سے رخصتی کا حال سنایا اور اپنا حسین و خوبصورت اور دلا ویز گھر جنت میں دکھلایا، والہانہ انداز سے اہلیہ نے اس مکان میں رہنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو فرمایا کہ تمہیں بھی یہاں آنا ہے لیکن ابھی وقت نہیں آیا، فرمایا محنت کرو تمہارا گھر بھی تیار ہوگا، میرا گھر تیار ہو گیا، حسب عادت راقم الحروف کی خدمت و رضا جوئی کی وصیت فرمائی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
افسوس کہ باوجود کوشش جنازے پر نہ پہنچ سکا، تدفین کے بعد مزار پر فاتحہ خوانی نصیب ہوئی۔

ان للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شیء عندہ باجل مسئمی فالحمد للہ رب العالمین حمد الصابرين الى یوم الدین۔

[محرم الحرام ۱۳۹۶ھ - فروری ۱۹۷۷ء]

مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

جمعہ کے مبارک دن ۲۸ محرم ۱۳۹۶ھ - ۳۰ جنوری ۱۹۷۶ء دورِ حاضر کے اسلامی مفکر، عصرِ حاضر کے متکلم و فیلسوف حضرت مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے اور ان کی روح پاک عالمِ غیب کی طرف پرواز کر کے واصلِ بحق ہو گئی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

وہ عالم تھے، وہ عارف تھے، وہ صوفی با صفا تھے، سراپا اخلاص تھے، ورع و تقویٰ کے پیکر تھے، عصرِ حاضر کے علماء ربانین کے ایک ممتاز فرد تھے، حیدر آباد دکن کی سرزمین میں دنیا سے الگ ہو کر اپنی دنیا بسانے والے ایک ہی شخصِ نظر آئے، مرحوم کا ابتدائی تعارف حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی سیرۃ النبی کے جزء سوم سے ہوا، جس میں معجزات پر ان کا فاضلانہ مضمون ہے، پھر غالباً ۱۳۵۹ھ میں حیدر آباد دکن میں پہلی ملاقات کا شرف بمعیت حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم حاصل ہوا، دوسری ملاقات کا شرف اس وقت نصیب ہوا جب میں دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں ۱۳۷۰ھ میں اقامت پذیر تھا اور مہمانی کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور دو ایک علمی مجالس بھی رہیں جن میں ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہوئے اور ”صدقِ جدید“ میں مرحوم نے اپنے سفر نامے میں اس کا ذکر بھی فرمایا، پھر تیسری ملاقات کی سعادت کراچی میں حاصل ہوئی جبکہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کی بنیاد پڑ چکی تھی اس مرتبہ الحمد للہ قریب

سے قریب تردیکھنے کا موقع ملا اور مجالس میں ان کو اچھی طرح پالیا اور عقیدت ان سے بڑھ گئی، فکر کی گہرائی میں قرآنی حقائق کے ذوق میں بے مثل تھے، نئی نسل کی تربیت و اصلاح پر غور کرنے میں بے نظیر تھے۔

جدید فلسفے اور جدید الہیات پر ان کی نظر اور ہمہ گیری حیرت انگیز تھی، ان جدید فلاسفہ کے نظریات پر اتنی وسیع نظر تھی کہ حیرت ہوتی تھی گویا ان کے سر پر جوتے مارے ہیں، ان کی نظیر نہیں ملتی، ان کے افکار کو جس جستجو اور عرق ریزی سے یکجا کر کے ان سے استنباط کرتے تھے انہی کا حصہ تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ کے دامن سے وابستگی سے تو ان کی دنیا ہی بدل گئی، اپنی جائیداد اور وسائل معاش کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر کے حضرت تھانوی قدس سرہ کے علوم اور حقائق و معارف کو جدید نسل کی رہنمائی کے لئے مفید سے مفید و مؤثر بنانے کے لئے تمام قلمی و فکری صلاحیتیں ختم کر دیں اور یہ ان کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ ہے، حضرت تھانوی قدس سرہ کی تمام مختلف الانواع تصانیف سے، متفرق موضوعات سے، منتشر ملفوظات سے، مواظ حکیمہ سے ایک ایک چیز موضوع کے تحت یکجا کر کے روح نکال دی، اس کی مؤثر تمہیدات اور منقح تشریحات سے چار چاند لگا دیئے، درحقیقت تمام امت پر اور خصوصاً تھانوی بارگاہ کے خوشہ چینوں پر ناقابلِ فراموش احسان کیا ہے۔

”اصلاح علم و عمل“ کے نام سے سورۃ العصر کی تفسیر لکھ کر تمام علماء اور خادمانِ دین کو عبرت آموز سبق دیا۔ ”سائنس اور مذہب“ جیسی نافع و عظیم تصنیف سے تمام فلاسفہ اور ملاحدہ کے سر پر جوتے لگائے اور اللہ تعالیٰ کی حجت پوری کر دی، زہد و قناعت کی قابلِ رشک زندگی بسر کی، تمام مرغوبات و لذائذ کو یک قلم ترک کر کے زاہدین کے لئے نظیر قائم کر گئے، بلاشبہ دورِ حاضر

کی مخلص ترین باخدا شخصیت تھی، افسوس کہ ان کے کمالات و خصائص ان کے ساتھ دفن ہو گئے، علماء اور ارباب قلم میں اس ذوق اور ان خصوصیات کی کوئی ہستی نظر نہیں آتی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس مشیتِ استخوان پر اور ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں
ان کی روح پر فتوح پر، جنت الفردوس میں اپنے حضرت شیخ تھانوی کے جوارِ قدس میں مقامِ اعلیٰ
نصیب ہوا اور ان کی روح ان مخلصانہ و محققانہ تصانیف کے ثمرات سے اور فقیرانہ زندگی کی برکات
سے مالا مال ہو۔

آمین یا رب العالمین وصلى الله على صفوة البرايا خاتم النبیین سیدنا محمد
وآله وصحبه أجمعین.



مولانا سید مہدی حسن شاہ جہان پوری رحمۃ اللہ علیہ

جس طرح بارانِ رحمت سے خشک صحرا، وادیاں، جھلسے ہوئے کھیت اور خشک باغات سرسبز و شاداب ہو کر لہلہاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح علماء ربانین کا وجود قلوبِ عباد کے لئے بارانِ رحمت ہے، بلکہ علماء حقانی کا وجود تمام کائنات کے لئے رحمت و نعمت ہے، ان کے وجود سے دلوں کو حیات، روحوں کو غذا اور دماغوں کو تازگی ملتی ہے، فضاءِ عالم منور ہوتی ہے، ظلماتِ کفر و ضلال کا نور ہو جاتی ہیں، بلکہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ اس عالم کی بقاء کا راز علماء ربانین کے وجود میں مضمر ہے اور یہی وجہ ہے کہ سمندروں کی مچھلیاں، صحراؤں کے کیڑے مکوڑے اور جنگلات کے حشرات و حیوانات تک ان کے لئے دعا کرتے ہیں، آسمانوں کے فرشتے دعا کرتے ہیں، زمین کے فرشتے ان کے قدموں کے نیچے پر بچھاتے ہیں، بلاشبہ جو ہستیاں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وارث، نیابتِ نبوت کی زینت بخش اور ہدایتِ مخلوق کا ذریعہ ہوں ان کے یہ فضائل ہونے چاہئیں، چنانچہ زبانِ خاتمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اور اس قسم کے فضائل ان کے منقول ہیں۔

ان ہی علماء ربانین میں سے حضرت مولانا سید مہدی حسن شاہ جہان پوری کی شخصیت تھی، جن کی زندگی کے ستر سال سے زیادہ قرآن و حدیث و فقہ و علومِ اسلامی کی خدمت میں گزرے، رجب ۱۳۰۰ھ شاہجہانپور محلہ ”ملائیل“ میں ولادت بابرکت ہوئی اور غالباً ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ کے اواخر میں شاہجہانپور محلہ ”جھنڈا کلاں“ میں واصلِ بحق ہوئے، **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ**۔

گیارہ سال راندیر ضلع سورت میں پوری صحاح ستہ پڑھائیں، جامعہ اشرفیہ میں سات سال اور جامعہ محمدیہ میں چار سال۔ نیز متفرق علوم کی کتابیں پڑھاتے رہے اور افتاء کا کام بھی کرتے رہے، پورے تیس سال راندیر سورت میں افتاء کی خدمت انجام دی، ۱۳۶۸ھ سے لیکر ۱۳۹۰ھ تک دارالعلوم دیوبند میں صدارت افتاء کی خدمات انجام دیتے رہے اور شرح معانی الآثار طحاوی بھی پڑھاتے رہے اور سالہا سال کے بقایا استفتاءات ہزاروں کی تعداد میں نمٹائے اور تقریباً اٹھارہ گھنٹے یومیہ مشغول رہتے تھے، آخری عمر میں فاج کالج کا حملہ ہوا کچھ افاقہ ہوا لیکن ہاتھوں پر ریشہ کا اثر باقی رہا، دارالعلوم کا تعلق ختم ہو گیا تھا اور اپنے گاؤں شاہجہان پور میں مرض کے ایام گزارتے رہے، آپ تعجب کریں گے کہ مرتعش ہاتھوں میں قلم لے کر ایک اہم ترین کتاب کی تصنیف شروع کی، یعنی امام ابو محمد ابن حزم کی کتاب ”المحلی“ پر تنقید، جہاں امام موصوف کے قلم نے وہ کام کیا جو حجاج کی تلوار کرتی تھی اور علماء میں عام مثل ہے ”سیف الحجاج وقلم ابن حزم توأمان“ کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کا قلم دونوں جڑواں بہنیں ہیں۔ اور تمام ائمہ دین میں کسی کو بھی نہیں چھوڑا کہ تردید نہ کی ہو اگرچہ زیادہ تر حصہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور ہر دور میں علماء امت نے ابن حزم کے جوابات دیئے اور ”القدح المعلیٰ فی رد المحلی“ کے نام سے بعض اکابر نے مستقل کتاب بھی لکھی۔ بہر حال محدث شاہجہان پوری کے قلم سے اس وقت بھی ایک اہم تصنیف کی جا رہی تھی ”السیف المجلیٰ فی الرد علی المحلی“ کے نام سے دو ایک چھوٹے چھوٹے اجزاء طبع بھی ہو گئے تھے اور راقم الحروف کے پاس بھی بھیجے گئے تھے، ایسی علالت کی حالت میں ایسی اہم تالیف میں مشغول ہونا لوگوں کے لیے موجب تعجب ہوگا مگر جس کی زندگی جس کام میں فنا کا مقام حاصل کر لیتی ہے اس کی یہی شان ہوتی ہے۔ افسوس کہ حضرت محدث شاہجہان پوری کی مرثیہ نگاری کے لیے قلم اس وقت ہاتھ میں آ رہا ہے جب کہ

ڈاکٹروں اور طبیعوں نے قلبی عارضہ کی وجہ سے دماغی کاموں سے منع کر دیا ہے اور راحت کی تاکید کی ہے، اس لیے بہت افسوس کے ساتھ ”بصائر و عبر“ کا نامہ نگار اپنی معذوری کی وجہ سے مرثیہ نگاری سے قاصر ہے، اس لیے برادر محترم مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی سے خواہش کی کہ عرصہ دس بارہ سال پہلے حضرت مرحوم کی ”کتاب الحجة“ کی تعلیقات کی وجہ سے مرحوم کا جو علمی ترجمہ سپرد قلم کیا تھا اور حیدر آباد دکن کے دائرۃ المعارف میں طبع ہو گیا تھا اس کا ترجمہ شامل کر دیا جائے، نیز ۱۹۳۷ء میں جب راقم الحروف کراچی آیا تھا اور مرحوم سورت میں تھے اس وقت ایک مکتوب گرامی حسرت ناک آیا تھا جس میں ایک غمگین واقعہ کا ذکر کیا تھا اور چند عربی اشعار مجھے لکھے تھے، اس وقت ارتجالاً چند عربی اشعار بطور تعزیت و تسلی اسی قافیہ و بحر پر فوراً نوک قلم پر آ گئے تھے وہ بھی شامل کر دیے جائیں تاکہ کسی درجہ میں حق ادا ہو سکے اور کسی قدر ان کی قدر و منزلت کی طرف اشارہ ہو سکے:

فغاں کہ گشت نیو شندہ سخن خاموش
وگر چہ گو نہ تسلی کنم من ایں لب و گوش

اللهم اغفر له مغفرةً لا تغادر ذنبا وارحمه رحمةً كاملة تخص بها عبادك
المقربين وادخله في جنات النعيم وارضه وارض عنه ما لا يوازيه منزلة
ولا نعيم، وصلى الله على صفوة عباده خاتم النبيين سيدنا محمد وآله
وصحبه وتبعه وعلماء الدين.

[شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ]



حالاتِ محدث شاہجہانپوری

[جو ۸۵۱۳ھ میں کتاب الحجۃ کے مقدمہ کے لئے لکھے گئے]

کتاب الحجۃ کے شارح اور صحیح شیخ محدث علامہ مفتی مہدی حسن کا سلسلہ نسب یہ ہے:

مہدی حسن بن سید کاظم حسن بن علامہ سید فضل اللہ بن سید محب اللہ شاہ بن شیخ العصر سید قطب الدین المعروف قطبی میاں بن شیخ سید درویش بن شیخ سید شہاب الدین احمد شاہ آبادی بن شیخ کامل سید ابواسحاق ابراہیم بن فاضل سید شہاب الدین احمد شاہ گیلانی۔

جن کے سلسلہ نسب میں واسطوں سے امام ربانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی الحسینی سے جاملتا ہے، مفتی صاحب کے جد امجد شیخ ابواسحاق ابراہیم شاہجہاں کے عہد سلطنت میں بغداد سے دہلی تشریف لائے اور نو سال بعد بغداد کی طرف مراجعت فرما ہوئے، دوبارہ پھر ہندوستان آئے، اور اورنگ آباد دکن میں وفات پائی۔ پھر ان کے صاحبزادہ سید احمد ۱۰۹۰ھ میں بعد سلطان عالمگیر بغداد سے دہلی آئے، شاہ آباد میں سکونت اختیار کی وہیں انتقال ہوا اور محلہ کڑہ میں دفن ہوئے، وہاں ان کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے، مفتی صاحب ۱۳۰۰ھ میں شاہجہان پور کے محلہ ملاخیل میں پیدا ہوئے پہلا نام خواجہ حسن تھا بعد ازاں ایک عارف کے اشارہ سے نام بدل کر مہدی حسن کر دیا گیا، یہ اس بزرگ کی فراست تھی کہ مہدی حسن کے نام میں ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی نیک فال تھی۔

قرآن کریم والد ماجد سے پڑھا، انہی سے کچھ حصہ حفظ بھی کیا، بقیہ حفظ بارہ سال کی عمر میں دیگر اساتذہ سے پورا کیا، اسی طرح فارسی کی ابتدائی کتابیں والد ماجد اور بڑے بھائی سے پڑھیں، پندرہ سال کی عمر ہوئی تو محلہ کی مسجد میں پہلی مرتبہ تراویح میں مصلیٰ سنایا، پھر اپنے شہر کے مدرسہ عین العلم میں داخل ہوئے، اور صرف و نحو کی کتابیں مدرسہ کے اساتذہ سے پڑھیں، جن میں سب سے مشہور بانی مدرسہ مولانا شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ نیز نحو اور فقہ کی کچھ کتابیں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور جب مفتی کفایت اللہ صاحب مدرسہ امینیہ دہلی میں منتقل ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کو بھی وہیں بھیج دیا، چنانچہ ادب فارسی، ادب عربی، علوم عقلیہ منطوق و فلسفہ، اصول فقہ اور علم حدیث وغیرہ تمام علوم و فنون کی کتابیں حضرت مفتی کفایت اللہ اور دیگر اساتذہ مدرسہ سے پڑھیں، ۱۳۲۶ھ میں سند فراغ حاصل کی اور مدرسہ امینیہ میں ہی مدرس بن گئے، صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے اطراف سنا کر شیخ العصر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ سے حدیث کی اجازت حاصل کی اور ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا شفیع الدین صاحب مہاجر کی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

پھر مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت صوبہ بمبئی میں صدر مدرس ہوئے اور سات سال تک صحاح ستہ کے علاوہ منطق و فلسفہ اور بلاغت کی کتابیں پڑھائیں، پھر چار سال تک مدرسہ محمدیہ راندیر میں صدر مدرس کی حیثیت سے صحاح ستہ کی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔

۱۳۳۸ھ سے ۱۳۶۸ھ تک مسلسل تیس سال صوبہ بمبئی میں افتاء میں مشغول رہے تا آنکہ ۱۳۶۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا اور تادم تحریر

(۱۳۸۵ھ) وہاں افتاء اور دین و علم کی خدمت میں مشغول ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں دو مرتبہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح معانی الآثار کا بحث و تحقیق کے ساتھ درس دیا، پہلا حج ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۹ء) میں کیا، اس کے بعد اب تک چار حج کر چکے ہیں، ان اسفار میں حرمین کے علماء و مشائخ سے ملاقاتیں ہوئیں، مختلف مسائل میں بطور افادہ و استفادہ ان سے علمی مذاکرے رہے اور وہاں کے اکابر مشائخ نے اجازتوں سے مشرف فرمایا، مکہ مکرمہ میں جن مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

شیخ احمد بن علی نجار الطائفی المکی الشافعی مدرس حرم۔ شیخ عمر بن ابی بکر جنید الشافعی وکیل حنابلہ۔ شیخ سید حسین بن علی الملک۔ ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ شیخ محمد مرزوقی۔ شیخ سید محمد بن ہاشم الحنفی۔ شیخ حبیب اللہ بن مایابی المالکی الشافعی۔ شیخ محمد حسن پشاوروی مہاجر کی مؤلف غنیۃ الناسک۔ شیخ عمر بن حمدان المحرری المالکی۔ مولانا شیخ شفیع الدین الہندی مہاجر کی وغیرہ۔

اور مدینہ منورہ میں جن مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

شیخ احمد شمس المالکی المغربی۔ شیخ محمد زکی بن شیخ علامہ سید احمد برزنجی الشافعی۔ قاضی القضاۃ شیخ ابراہیم بن عبد القادر البری المدنی مدرس حرم مدنی۔ شیخ محمد عائش بن محمود الشافعی المصری المدنی۔ شیخ عبد القادر الطرابلسی الحنفی۔ شیخ محمد طیب المغربی المالکی۔ محدثۃ اللہ بنت شیخ محدث شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی۔ شیخ عبد اللہ بن حسین بن محسن الانصاری الہیمی۔ مولانا شیخ خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی صاحب بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد۔

مفتی صاحب کو شیخ محقق علامہ محمد زاہد الکوثری نزیل قاہرہ سے بھی بذریعہ خط اجازت حاصل ہوئی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ اور کتاب الآثار کی اجازت امام العصر مولانا الشیخ محمد انور شاہ لکھنویؒ سے حاصل کی، موصوف نے عربی

اور اردو میں متعدد کتابیں لکھیں، عربی میں ان کی چند تالیفات کے نام حسب ذیل ہیں:

اللاّلی المصنوعة فی الروایات المرجوعة، شرح کتاب الآثار تین جلدوں میں، شرح کتاب الحجة، الدر الثمین، رجال کتاب الآثار، شرح بلاغات محمد فی کتاب الآثار، الاهتداء فی رد البدعة.

اور اردو میں مختلف موضوعات پر ان کی بہت سی کتابیں ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں:

القاء اللّمة علی حدیث لا جمعة، إقامة البرهان، التحقیق المتین، قطع الوتین، بئس القرین، الاختلاف المبین، مفید القاری والسماع، التوضیحات، كشف الغمة عن سراج الأئمة، فراسة العریف، التحقیق الثام فی حدیث اذا خرج الامام فلا صلاة ولا كلام، رفع الارتياب، شمیم حیدری، ضربة الصمصام، اظهار دجل المريد، اظهار الصواب، اظهار اسرار المتحدثین، الاسعاف، التنویر فی حکم الجهر بالتكبير، القول الصواب، طلوع بدر الرشاد، وغیره۔

موصوف اردو میں بہت عمدہ ادبیانہ شعر کہتے ہیں اور کچھ اشعار ان کے عالمانہ ہیں، وہ اپنی تحریر میں بڑے طویل النفس ہیں، نکان اور اکتاہٹ ان کے قریب بھی نہیں پھلکتی، ان کا عربی اسلوب تحریر بڑا آسان اور واضح ہے، اس میں کوئی گجھلک نہیں ہوتی، وہ صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کے علم الرجال کے مختص اور ممتاز عالم ہیں، انہیں علمائے حنیفہ سے خصوصی شغف اور کتب رجال اور طبقات و تراجم کے اوراق میں سے علمائے احناف کے التقاط کا خصوصی اہتمام ہے۔

کثیر المطالعة، شب بیدار، انتہائی مہمان نواز، کریم النفس، فراخ دست، کشادہ رو، اللہ کے دین کے معاملہ میں حمیت وغیرت ان پر غالب آ جاتی ہے تو پھر کسی لومۃ لائم کی پروا نہیں

کرتے۔ آج وہ کتب فتاویٰ کی وسعت معلومات میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، چالیس برس سے زیادہ کا عرصہ گزرتا ہے کہ وہ کتب فتاویٰ کے مطالعہ کے لئے وقف ہیں، رمضان مبارک میں بکثرت عبادت کرتے ہیں، ہر رمضان میں اعتکاف کرتے ہیں اور قرآن کریم کے کئی کئی دور ختم کرتے ہیں، نرم خو، خاموش طبع، صلح جو، فقراء سے محبت اور علماء کا عزت و احترام کرتے ہیں، شکل و شمائل اور رہن سہن میں علماء کی سی زندگی بسر کرتے ہیں، عمر چوراسی ۸۴ کو پہنچ چکی ہے مگر فتویٰ نویسی اور خدمتِ علم میں جوانوں کی سی ہمت و نشاط کے ساتھ منہمک ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی عمر مبارک میں برکت فرمائے اور اس دور میں ان کے سے رجال بکثرت پیدا کرے۔



مکتوب منظوم

(جو مفتی مہدی حسن گوڑہ ۱۹۴۷ء میں ان کے خط کے جواب میں ارتجالاً لکھا گیا)

سلام علی شیخ جلیل المناقب	ومن علمہ کالنور وسط الغیاب
سلام علی حبر العلوم وبجرها	ومن فیضہ فی الدھر وزن الاطایب
سلام علی مفتی الانام ومن	یحل الفتاویٰ فی جمیع المآرب
سلام علی ہادی الانام بوعظہ	یرق لہ قلب العدو المغاضب
سلام خلوص فی دعاء تحیة	ہدیة داع ثم دعوة غائب
اتانی کتاب بالحوادث ناطقاً	افاض دموعاً من عیون السحاب
اولئک حساد واعداء نعمة	یقولون زوراً باختلاق الأكاذب
لقد علموا علم الیقین بانہم	یقولون کذباً بافتراء المثالب
واعداء علم یمکرون مکائدا	ویاتون بالکید العظیم المآرب
یا شیخ صبرا فی رزایا ملمة	عواقبہ تحلو عقیب المصائب
لحی اللہ ذی الدنیا مناخاً لراکب	فکل عظیم فی العنا والمتاعب
اشد بلاء فی الوریٰ خیر أمة	لنا قدوة فیہم و أسوة راغب
وقاک لہ من طروق حوادث	واولاک مجداً من رفیع المراتب
نرجوا رحیما ان یسد حالنا	ویحفظنا کیدا لعدو المشاغب
فنحمد رباً للوریٰ وهو عالم	ونرجوه فضلاً فی صلاح العواقب
کریم ودود ذوالعطایا مہیمن	رؤوف رحیم عالم بالمغائب

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء چہار شنبہ کو ایک بجے رات سرزمین پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کی آخری یادگار حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم مختلف عوارض خصوصاً عارضہ قلب میں کچھ عرصہ سے مبتلا ہو گئے تھے اور عوارض اور امراض و تکالیف کو قابل رشک صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے اور رضا بالقضاء کے اعلیٰ ترین مقام کے حصول اور ترقی درجات سے مالا مال ہوتے گئے اور کمال یہ ہے کہ بزرگوں کی صحبت و توجہات کی برکت سے طبیعت ایسی بن گئی تھی کہ آخر وقت تک علم و دین کے مشاغل سے وابستہ رہے، افتاء کی مجلسیں بھی ہوتی رہیں، تالیف و تصنیف کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا، علمی مشاورت اور دینی مسائل میں غور و خوض کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔

امام العصر حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے تلمذ و استفادے کے بعد حضرت مفتی صاحب کا ہمیشہ ظاہری و باطنی تعلق شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قائم رہا، انقلاب کے زمانے میں جب کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم سے جدا ہو گئے تھے اس وقت بھی آپ کا تعلق ایک لمحے کے لیے منقطع نہیں ہوا تھا، برابر حاضری ہوتی رہی، کیا مجال ہے کہ تعلق و عقیدت و ارادت میں ذرا بھی فرق آئے، انہی دنوں میں جب کہ اختلاف و افتراق شباب پر تھا

حضرت مفتی صاحب، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں زیارت و عیادت کے لیے حاضر ہوئے اور دو روپے ہدیہ عقیدت پیش کیا، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نہایت محبت و شفقت سے قبول فرمایا۔

حضرت مفتی صاحب کی علمی زندگی میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجہات کا بہت بڑا دخل رہا، بالکل ابتدائی دور میں جب ”معارف“ اعظم گڑھ میں فوٹو کے جواز پر ایک مبسوط مقالہ آیا جو درحقیقت شیخ محمد نجیٹ مطبعی شیخ الازہر کے رسالہ ”إباحة الصور الفوتوغرافية“ کا چرہ تھا اور اچھا خاصا محققانہ علمی انداز تھا کیونکہ شیخ محمد نجیٹ اپنے دور میں مصر کے سب سے بڑے عالم و محقق سمجھے جاتے تھے اور مذاہب امت کے ادلہ و تفصیلات میں بقول حضرت شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ آیۃ من آیات اللہ تھے،^(۱)

جب یہ مقالہ شائع ہوا تو حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اس کی فکر ہوئی اور اپنے حلقہ تلامذہ میں سے حضرت مفتی صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ اس کا جواب لکھیں، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے ان کی علمی راہنمائی میں القاسم (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند) میں اس پر ایک مفصل علمی و تحقیقی مضمون لکھا، جو بعد میں ”التصویر لأحكام التصوير“ کے نام سے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع ہوا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی راہنمائی میں آیت خاتم النبیین کی شرح تفسیر عمدہ ادبیانہ انداز سے عربی میں تالیف فرمائی جو ”ہدیۃ المہدیین“ کے نام سے شائع ہوئی، اس پر حضرت امام العصر رحمہ اللہ کی قابل رشک تقریظ ہے، اس کے چند جملے ملاحظہ ہوں:

(۱) قاہرہ میں ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء کی ایک مجلس میں راقم الحروف نے حضرت شیخ محمد زاہد الکوثری سے عرض کیا کہ آپ ان کے کمالات کے بیان میں اتنا غلو فرماتے ہیں کہ استحضار مذاہب ائمہ میں ان کو آیۃ من آیات اللہ فرماتے ہیں، حالانکہ فلاں فلاں مسائل و حوادث میں ان کی فقہی رائے بہت کمزور ہے، اس پر شیخ الکوثری نے فرمایا ”نعم کان غیر موفق فی النوازل“ یعنی جی ہاں! جدید مسائل و حوادث میں صائب الرائے نہیں تھے۔

اما بعد: فان صاحبنا الاحوذی المولوی محمد شفیع الدیوبندی وفقه الله لما یحب ویرضاه، جمع باستدعائی رسالته ”هدیه المہدیین فی آیۃ خاتم النبیین“ جزاء الله عنی وعن سائر المسلمین خیر الجزاء وقد سرد فیہ نحو مائۃ وخمسۃ وستین حدیثاً فی انقطاع النبوة بعد ما بعث الله نبیہ محمدًا مصطفاه..... الی قوله.. وهاک رسالۃ تفسیریۃ حدیثیۃ کلامیۃ فقیہیۃ وبعد ذلك کله ادبیۃ یرى الفاظها کسرایۃ الروح فی البدن ویقع فی قلب المؤمن کحلاو الایمان ویجرى فی العروق کمحض اللبن.

ہلم یا صاح الی روضۃ یجلو بها العانی صdahمہ نسیمہا یعثر فی ذیلہ وزهرہا یضحک فی کمہ

ترجمہ: ہمارے رفیق دانشمند مولوی محمد شفیع دیوبندی نے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔ میری فرمائش پر رسالہ ”هدیه المہدیین فی آیۃ خاتم النبیین“ جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں میری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائیں، اس میں اس مضمون کی قریباً ۱۶۵ حدیثیں ذکر کی ہیں کہ بعثت محمدیہ کے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے..... یہ رسالہ تفسیری بھی ہے اور حدیثی بھی، کلامی بھی اور فقہی بھی اور ان تمام امور کے ساتھ ساتھ ادبی بھی۔ جس کے الفاظ روح کی طرح بدن میں سرایت کرتے ہیں، حلاوت ایمان کی طرح قلب مومن میں جاگزیں ہوتے ہیں اور خالص دودھ کی طرح رگ و پے میں گردش کرتے ہیں۔ اے رفیق! اس گلشن کی سیر کرو جس سے ایک غم زدہ شخص اپنے ہوم و افکار کا زنگ دور کرتا ہے، اس کی باد صبا اس کے دامن سے اٹھکیلیاں کرتی ہے اور اس کی کلیاں اس کے دامن میں مسکراتی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے رسالہ ”التصریح بما تواتر فی نزول المسیح“ کو حضرت مفتی صاحب نے مرتب فرمایا اور اس پر ایک بہترین ادیبانہ اور فاضلانہ مقدمہ لکھا، جو بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے۔^(۱)

اس طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تو جہات سے ان کی علمی قابلیت اور ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں ان کی خدمات میں روز افزوں ترقی ہوتی گئی اور حضرت شیخ رحمہ اللہ سے نسبت میں قوت پیدا ہوتی چلی گئی۔

جس وقت میں نے اپنا رسالہ ”بغیۃ الأریب فی أحکام القبلة و المحاریب“ مرتب کیا اور بعض ماخذ و مراجع دیکھنے کے لیے پشاور سے سفر کر کے دیوبند حاضر ہوا تھا اور پھر خیال ہوا کہ اکابر و اساتذہ کی کچھ تقریظیں بھی تبرک کے لیے لکھواؤں، اس وقت حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دارالعلوم دیوبند کے منصب افتاء پر فائز تھے، جب رسالہ دیکھا بہت ہی خوش ہوئے اور بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اس پر ایسی تقریظ لکھنے کو جی چاہتا ہے جس طرح حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے رسالہ ”هدیۃ المہدیین فی آیۃ خاتم النبیین“ پر تقریظ لکھی ہے، اسی رسالہ ہدیۃ المہدیین کے متن سے آئندہ ”ختم النبوة فی القرآن“، ”ختم النبوة فی الاحادیث“ اور ”ختم النبوة فی الآثار“ تینوں رسالے بطور شرح مرتب ہوئے۔

مقدمہ بہاول پور میں حضرت امام العصر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست

(۱) رسالہ ”التصریح بما تواتر فی نزول المسیح“ کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب نے ”منہج موعود کی پہچان“ کے نام سے ایک اور رسالہ لکھا، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تمام علامات کو جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں مرتب کر کے ثابت کیا کہ قادیان کے نام نہاد مسیح مرزا غلام احمد قادیانی میں ان میں سے ایک علامت بھی نہیں پائی جاتی، جس سے ہر ادنیٰ عقل و فہم کا آدمی یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ مرزائے قادیان کا دعویٰ مسیحیت و مہودیت محض کذب و افتراء ہے، یہ نفس رسالہ بارہا چھپ چکا ہے۔

رہے اور آپ ہی کے قلم سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی دقیق و عمیق تعبیرات سہل اردو میں مرتب ہوئیں، جو ”مقدمہ بہاول پور“ کے نام سے معروف ہے اور فرمایا کہ ایک رات اسی کام میں ایسی گزری کہ عشاء کے بعد صبح تک اس کی تکمیل میں مشغول رہا اس طرح حضرت شیخ کی دعاؤں و توجہات کے مرکز بنے رہے۔

۱۹۷۲ء میں قادیانی مسئلہ کے سلسلہ میں جو محاذ قائم ہوا تھا اور حضرت شیخ کے جوتوں کے صدقے میں حق تعالیٰ نے راقم الحروف سے کام لیا، اس کے لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے عزیز گرامی برادر مولا نافتی صاحب کو میں نے راولپنڈی میں بلایا تھا، مسئلہ قادیانیت میں امت اسلامیہ کے موقف کی ترتیب و تالیف میں برادر موصوف نے ایک دفعہ پوری رات گزاری، ایک لمحہ کے لیے بھی آرام نہ کر سکے، میں نے حضرت مفتی صاحب سے فون پر اور بعد میں زبانی یہ عرض کیا تھا کہ آپ کے مقدمہ بہاول پور اور حضرت شیخ کی خدمت و مساعدت سے پوری مشابہت اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادی، جس سے حضرت مفتی صاحب بہت خوش ہو گئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے برادر موصوف کو اپنے والد محترم کا صحیح خلف الرشید بنایا، فطوبیٰ لہ
 هذه السعادة وهنيئاً له بهذه الخلافة۔

الغرض! حضرت مفتی صاحب کی علمی طبیعت و مزاج میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی توجہات کو بڑا دخل ہے، جس طرح حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی توجہات سے یہ مزاج بن گیا کہ وقت کی قدر ہو اور ضیاع وقت سے احتراز کیا جائے اور مفید عوام تالیفات سے دین کی خدمت کی جائے۔

حضرت مرحوم کی خصوصیات و تالیفات اور دارالعلوم کراچی کی تاسیس پر اور ”ادارۃ المعارف“ قائم کرنے پر لکھنے والے بہت کچھ لکھیں گے اور لکھتے رہیں گے مجھے تو صرف یہ لکھنا ہے

کہ بیک وقت وہ دارالعلوم دیوبند اور تھانہ بھون دونوں کی جامع شخصیت تھی اور دونوں کے صحیح نمائندے تھے اور علم و فضل کے ساتھ مزاج میں بے حد سادگی تھی، نہایت متواضع تھے، اہل علم و فضل کے بڑے قدردان تھے، باوقار و بردبار تھے، ۱۳۴۲ھ سے لے کر آج ۱۳۹۶ھ تک میرا ان کا تعلق رہا، ابتداء سے انتہاء تک جو چیز نظر آئی وہ یہ ہے کہ علمی شغف، علمی قدردانی، دیوبند اور تھانہ بھون کے صحیح مسلک و مشرب کی نمائندگی کا صحیح حق ادا کیا، حضرت مفتی صاحب کو حق تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں سے نوازا اور اولادِ صالح کی نعمت سے محروم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور اپنی عمر کے آخری مراحل میں ”معارف القرآن“ جیسی تفسیر کے ذریعہ سے علمی دینی خدمت انجام دے کر آخرت کے لیے بہت کچھ ذخیرہ جمع فرمایا۔

مجھے اس کا صدمہ ہے کہ جنازے کی شرکت سے محروم رہا، حضرت کے وصال سے ۱۲ گھنٹہ قبل میں ایک ضروری کام سے سکھر پہنچ گیا تھا، وصال کی صبح کو اطلاع ملی بہت کوشش کی کہ کسی طرح جنازے میں شامل ہو سکوں، مؤن جو داڑو کے ایئر پورٹ تک ۹۰ میل بذریعہ ٹیکسی سفر کیا کہ شاید ہوائی جہاز میں کوئی سیٹ مل جائے اور اس طرح یہ آرزو پوری ہو جائے لیکن افسوس کہ بے نیل مرام واپس آیا، ۵ گھنٹہ کی تگ دو سے ایک طرف شکستہ بدن اور مقصد میں ناکامی سے شکستہ خاطر واپس آیا اور حسرتوں کو دل میں لے کر آیا۔

حق تعالیٰ اس نجیف البدن، خفیف الروح عالم باعمل کے درجات بلند فرمائے اور تمام زلات و سینات معاف فرما کر رضوان و رحمت کے عالی مقامات پر پہنچائے، جنت الفردوس میں مقام نصیب فرمائے، آمین۔ اور ان کی صالح ذریت کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔ مولانا محمد احمد تھانوی صاحب نے تاریخ وفات میں متعدد مواد نکالے ہیں ایک ان میں سے ”موت العالم الصالح موت العالم“ ہے۔

مولانا اطہر علی بنگالی رحمۃ اللہ علیہ

یہ معلوم ہو کر مزید صدمہ ہوا کہ اسی رات اسی تاریخ کو حضرت مولانا اطہر علی صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ڈھا کہ میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بنگلہ دیش کے ممتاز ترین عالم تھے۔ علمی و سیاسی خدمات میں مشہور بزرگ تھے، جس وقت بنگلہ دیش مشرقی پاکستان تھا اس وقت مرکزی قومی اسمبلی کے ممبر بھی رہ چکے تھے، کچھ عرصہ نظام اسلامی پارٹی کے صدر بھی رہے، اسی دوران ایک دفعہ سالانہ عظیم اجتماع میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف کو بھی دعوت تھی، ایک جلسہ کی صدارت راقم الحروف کے ذمہ تھی، خطبہ صدارت اردو بنگلہ میں شائع کیا گیا تھا اور ایک جلسہ کے صدر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تھے، ”جامعہ امدادیہ“ کے نام سے کشور گنج میں ایک عظیم درس گاہ کے بانی تھے، یہ مدرسہ جو اپنی تعمیری خصوصیات میں سب سے ممتاز تھا، کچھ عرصہ راقم الحروف اس کی مجلس شوریٰ کا رکن بھی رہا، بلکہ علمی مشیر بھی، مرحوم بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) کے علماء و فضلاء میں جامع شخصیت تھے، وہ عالم بھی تھے، صوفی بھی، دیوبند کے فاضل تھے، تھانہ بھون کے بھی فیض یافتہ تھے، حضرت حکیم الامت کے خلیفہ تھے، سیاسی خدمات میں بھی حصہ لیتے تھے بلکہ عملی سیاسیات میں حصہ لینے سے مدرسہ کی علمی حیثیت کو نقصان پہنچتا رہا اور بسا اوقات وقتی مصالح کے پیش نظر اس کا فائدہ اٹھایا گیا لیکن

مستقل طور پر مدرسہ کی حیثیت مجروح ہوتی گئی، جدید انقلاب میں افسوس کہ بہت شدید ابتلاء کے دور سے گزرے، جیل میں بھی رہے، آخر بہت سے ناقابل برداشت خدمات سے دوچار ہو کر اس دنیا فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔

حق تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے زلات کو عفو فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے، آمین۔

[ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ - نومبر ۱۹۷۷ء]



نواب محمد مسعود علی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم کرم فرما جناب عشرت علی قیصر کے والد محترم جناب محمد مسعود علی صاحب طویل علالت کی بعد پنجشنبہ ۷ شوال ۹۷ھ کو واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کی بعض صفات و کمالات دیکھ کر رشک آتا تھا کہ اس پُر آشوب دور میں قوت ایمان کے ایسے دل کش نمونے موجود ہیں۔ حدیث بخاری شریف میں جن سات اشخاص کے بارے میں لسانِ نبوت سے یہ بشارت سنی تھی اور پڑھی تھی کہ سات اشخاص قیامت کے روز میدانِ حشر میں عرشِ عظیم کے سایہ تلے ہوں گے، ان میں ایک شخص کے بارے میں یہ الفاظ ہیں (ورجل قلبه معلق في المساجد) کہ ایک شخص وہ ہے جس کا دل ہر وقت مسجد میں رہتا ہے، (صحیح البخاری) پہلی مرتبہ اس کا مصداق مرحوم کو دیکھا کہ ہر وقت مسجد کی حاضری کی فکر دامن گیر رہتی تھی، نماز پڑھ کر آتے ہی دوبارہ دوسری نماز کی فکر کا شدید تقاضا شروع ہو جاتا، بیماری اور بے ہوشی کے عالم میں بھی مسجد جانے کی فکر اور تقاضا رہا، اس آخر عمر میں مسجد بہت پہلے پہنچتے تھے، خود اذان اقامت کی خدمت انجام دیتے تھے، دوسری قابلِ غبط بات یہ دیکھی کہ ہر وقت زبان پر ذکر اللہ جاری رہتا۔ حدیث نبوی میں ہے ”لا تنزال لسانک رطباً من ذکر اللہ“ (سنن الترمذی) کہ تمہاری زبان اللہ کی یاد سے ہر وقت تر و تازہ رہے، اس حدیث کا مصداق آپ کی ذات گرامی کو دیکھا۔

حق تعالیٰ درجات عالیہ جنت الفردوس میں نصیب فرمائے اور بال بال مغفرت فرمائے
 اور اس جانکاہ حادثہ میں ہمارے کرم فرما قیصر صاحب کو اور ان کی بقیہ اولاد کو صبر جمیل اور اجر جزیل
 نصیب فرمائے اور تمام پسماندگان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

[ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ]



مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ سال ۱۳۹۶ھ کے اختتام پر کئی اکابر کی وفات کے حوادث پیش آئے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (دارالعلوم دیوبند کے مفتی اور پاکستان کے مفتی اعظم، تلمیذ امام العصر مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ و مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) نے سفر آخرت اختیار کیا، جناب عارف باللہ بابا نجم احسن صاحب مجاز صحبت حضرت حکیم الامت تھانویؒ واصل بحق ہوئے اور حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا نیاز محمد بنوی (بانی دارالعلوم الاسلامیہ، لکی مروت ضلع بنوں) راہی دار آخرت ہوئے، رحمہم اللہ جمیعاً واسکنہم اللہ دار النعیم۔

حسرت و افسوس ہے کہ سال ۱۳۹۷ھ کے آغاز پر دو حادثے پیش آئے: ایک حادثہ یہ کہ مولانا محمد احمد تھانوی (برادر خور و حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی) نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم عالم تھے، فاضل تھے، جامعہ اشرفیہ سکھر کے بانی و مہتمم تھے اور مادہ ہائے تاریخی کے استخراج میں یکتائے وقت تھے، ان دو تین سالوں میں بڑے بڑے واقعات و حوادث اور وفیات کے تاریخی مادے نکالنے میں مرحوم نے اپنے جوہر دکھائے۔ کسے کیا معلوم تھا کہ یہ تاریخ نگار جو ۱۳۹۶ھ کے اختتام تک اکابر کے تاریخی مادے نکالتا رہا وہ سال نو (۱۳۹۷ھ) کے بالکل

آغاز میں ۷۰ محرم کو خود سال نو کی تاریخی شخصیت بن جائے گا، یہ عبرت کدہ عالم کے تاریخی بصائر
ہیں جو چشم بصیرت کے لیے درس عبرت ہیں اور آنسو بہانے کے لیے سامان حزن و ملال:

سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی
نہ ابتداء کی خبر، نہ انتہا معلوم

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی
ذریعت کو ان کا خلف الصدق بنائے، آمین۔



مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

دوسرا حادثہ مولانا عبد الماجد دریابادی مدیر ”صدق“ کی وفات کا ہے، مرحوم نے صرف عمر طبعی پوری نہیں کی بلکہ تقریباً ایک صدی مراحل عمر طے کر کے سفر آخرت پر روانہ ہوئے، مرحوم ایک مفکر، صاحب بصیرت، فلسفی مزاج، حقیقت آگاہ شخصیت تھی، آخری ساٹھ سالہ زندگی کا شاید ایک لمحہ بھی مرحوم نے ضائع نہیں کیا۔ ہماری نگاہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے بعد پہلی شخصیت ہے جس نے نظم و ضبط کے ساتھ تمام علمی مشاغل جاری رکھے جس میں کوئی خلل نہیں آنے دیا۔ اردو میں مخصوص ادبی اسلوب کے مالک تھے اور ایک خاص طرز انشاء کے ممتاز ترین ادیب تھے اور متحدہ ہندوستان میں جو ممتاز ارباب قلم گذرے ہیں ان میں سے ایک ممتاز فرد تھے، احادیث اور قرآنی آیات سے اصلاحی نکات کے استنباط کا اچھا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا، مرحوم رسمی عالم نہ تھے لیکن باوجود اس کے اپنی علمی صلاحیت سے بڑا کام لیا، قرآن کریم کی تفسیر تین جلدوں میں لکھی اور عربی دان طلبہ پر یہ بڑا احسان کیا کہ عربی تفسیر کی اصلی عبارتیں سب نقل کر دیں۔ رسمی عالم نہ ہونے کی وجہ سے اور ارباب کمال اور ارباب علوم نبوت سے راسخ صحبت کے نہ ہونے سے عقیدے میں پختگی نہ آ سکی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت و رحمت سے نوازے اور سینات و زلات سے درگزر فرما کر خادمانِ دین کی صف میں جگہ نصیب فرمائے، آمین۔

حکیم عبدالسلام صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ مورخہ ۲/صفر ۹۷ھ، ۲۲/جنوری ۷۷ء ہمارے کرم فرما مخلص دوست جناب حکیم عبدالسلام صاحب ہزاروی مختصر علالت کے بعد ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سے میری پہلی ملاقات ۱۹۳۲ء میں ہری پور میں ہوئی جب کہ مرحوم میر پور میں سکونت پذیر تھے (ہری پور کے مضافات میں ایک چھوٹی سی بستی تھی) اس وقت مرحوم ”پیغام سرحد“ ایک ہفتہ وار اخبار میں طبع آزمائی کرتے تھے، مرحوم نہایت باوقار، سنجیدہ، بااخلاق صحیح العقیدہ، صحیح المسلك تھے، اکابر دیوبند و دہلی سے وابستہ تھے، سیاسی ذہن حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا تھا، اسی پلیٹ فارم پر سیاسی خدمات انجام دیا کرتے تھے اور متعدد بار قید و بند کا نشانہ بنے لیکن پائے استقامت کو کبھی لغزش نہیں ہوئی، علماء اور فضلاء سے ملاقات میں بہت مسرت اور روحانی کیف محسوس کرتے تھے اور ان کا مکان انہی علماء و فضلاء کا مہمان خانہ تھا۔ اچھے خاصے طبیب تھے، مرحوم مولانا حکیم اجمل خان صاحب سے طبی استفادہ بھی کر چکے تھے اور ان سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا، آخری حیات میں بھی طب یونانی معاشی ذریعہ تھا، لیکن چونکہ دماغ سیاسی تھا باوجود طبی مشاغل کے سیاسی افکار سے کبھی فارغ نہیں رہے، پاکستان میں جب یونانی طب کو باقاعدہ بنانے کی لیے نیم سرکاری ادارہ ”آل پاکستان طب بورڈ“

قائم ہوا مرحوم اس کے چیئرمین مقرر ہوئے اور ملک کے طول و عرض میں دورے کرنے پڑے اور طبی امتحانات لیتے رہے اور سرٹیفکیٹ جاری کرانے میں نیک نیتی اور حسن اخلاق کا ثبوت دیتے رہے، مرحوم خوش روح، ہنس مکھ، خوش مزاج تھے اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے:

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور حسن عقیدہ اور حسن کردار کی برکات سے مالا مال فرمائے۔ امید ہے کہ مرحوم کے صاحبزادے مولوی عبدالرشید ان کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے اور جناب طارق صاحب بھی ان کے نام کو روشن کریں گے۔

[ربیع الاول ۱۳۹۷ھ - مارچ ۱۹۷۷ء]



مولانا سید محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ

(والد ماجد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ)

آہ! میرے والد محترم: إنا لله وإنا إليه راجعون۔

رقتم و از رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چو رقتم بزم برہم ساختم

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ، مطابق ۵ جون ۱۹۷۵ھ یوم النخیس (وما ادراك ما يوم الخميس) کی تاریخ میری زندگی کا دوسرا بڑا عظیم حادثہ ہے، اس ستر سالہ زندگی میں پہلا حادثہ کبریٰ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۳ صفر ۱۳۵۲ھ) کا سانحہ وفات تھا، یہ دوسرا حادثہ کبریٰ میرے والد حضرت مولانا سید محمد زکریا صاحب کا وصال ہے۔

یوں تو زندگی میں بے شمار حوادث اور حوصلہ شکن واقعات، صبر آزماسوانح پیش آئے لیکن یہ دو عظیم حادثے بلاشبہ ایسے پیش آئے کہ صبر و شکیبائی جواب دے چکی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا حادثہ اس وقت پیش آیا جب کہ عالم شباب تھا، برداشت کی طاقت تھی لیکن حضرت والد کے وصال کا یہ درد ناک سانحہ اس وقت پیش آیا کہ جوانی کی طاقتیں جواب دے چکی ہیں اور

سیدہ فاطمہ مرحومہ کی جدائی کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے، نیز اس سے قبل دواڑھائی سال میں یکے بعد دیگرے مخلصین و احباب علماء و فضلاء کی رحلت، رقیقہ حیات کی جدائی، غرض مسلسل صدمات نے نڈھال کر دیا تھا۔

حقائق اور وجدانی کیفیات کے لئے الفاظ و تعبیرات کا دامن بہت تنگ ہوتا ہے۔ حقائق کی تعبیرات سے الفاظ ہمیشہ قاصر رہتے ہیں اور پھر اس مبالغہ آمیز دنیا میں کسی حقیقت کی صحیح ترجمانی کا حق ادا ہونا بے حد مشکل ہے۔

یومِ النہیس ۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ دن کے پونے دس بجے چند روز کی شدید کرب و بے چینی کے بعد میرے والد محترم، میرے آقا، میرے آغا جی، میرے مربی، دنیا میں میرے ماویٰ، میرے بچا، دنیائے اسلام کی متاعِ گرانمایہ، جہانِ علم و عمل کے جوہر آبدار، ایمان و عرفان کی عظیم ترین شخصیت اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئی، جس کے لئے وہ مہینوں سے بیتاب تھے اور آخر چشمِ زدن میں عالمِ غیب کی طرف روح لطیف نے پرواز کی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

ان کا وجود ہمارے لئے سایہِ رحمتِ الہی تھا، حق تعالیٰ کی ایک عظیم ترین نعمت تھی، دعواتِ نیم شبی اور نالہ ہائے سحری کا ایک سرچشمہ تھا جو خشک ہو گیا، ہمارے سکونِ قلب کا ذریعہ تھا جس سے ہم محروم ہو گئے۔ والد محترم کی وفات حسرتِ آیات صرف ایک والد کی مرثیہ خوانی نہیں بلکہ علم و عرفان کا مرثیہ ہے، ایک صاحبِ کرامات و خوارقِ عارف باللہ کا ماتم ہے، ایک محققِ روزگار کا نوحہ ہے، ایک فیلسوفِ عصر کا غم ہے، ایک اولو العزم و جود کی جدائی پر اظہارِ حزن ہے، مجاہدات و ریاضات میں مصروف رہنے والی عظیم شخصیت کا دردِ عالم ہے، ایک صاحبِ کمال معبر کا نوحہ ہے، ایک باخدا صاحبِ مکارمِ اخلاق، جود و سخا، ہمت و شجاعت کا نالہ و شیون ہے، ایک گوشہ نشین

صوفی، صاحبِ صدق و صفا کی جدائی و فراق کا درد و غم ہے، ایک عاشقِ رسول کا درد و اضطراب ہے، اسرارِ کائنات کے دانائے راز کی گریہ و زاری ہے، حقائق و معارف کے عالم کی مرثیہ خوانی ہے، شریعتِ اسلامیہ کے یگانہ روزگار فاضل کا نالہ فریاد ہے، طریقت و حقیقت کے واقف رموز کا حزن و غم ہے۔

والد ماجد کیا تھے؟ ایک گمنام ہستی! جس نے ایک عالم اپنے اندر سمیٹ رکھا تھا، شفیق بلنی، ابراہیم اڈھم، بایزید بسطامی، سری سقطی، معروف کرخی، جنید بغدادی کے احوال و مواجد تو دنیا نے پڑھے ہیں لیکن اس فقیر بے نوا کی شاہانہ پرواز کی کس کو خبر؟ تقلیلِ کلام، تقلیلِ منام، تقلیلِ اختلاط مع الانام کے واقعات تو آپ سن چکے ہوں گے لیکن اس مجاہدِ زمانہ کے احوال حیرت افزا کی دنیا کو کیا خبر؟ عنفوانِ شباب ہی میں تقلیلِ خوراک کی جب ریاضت شروع کی تو روزانہ صرف ایک مثقال خوراک یعنی ساڑھے تین ماشے غذا پر ساہا سال زندگی بسر کی، پندرہ دن میں بمشکل اجابت کی ضرورت پڑتی تھی، رویائے صادقہ و مبشرات کا جب سلسلہ شروع ہوا تو سولہ سال کی عمر سے بیس سال تک سومرتبہ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بابرکت سے شرف یابی ہوئی اور ہر دفعہ زیارت مبارکہ میں ارشادات و ہدایات، تلقین اذکار، نصائح عالیہ سے سرفرازی ہوتی تھی۔ ”اولیسی“ نسبت کے وہ کمالات نصیب ہوئے کہ عقل حیران ہے، رویائے صادقہ اور مبشرات کا سلسلہ آخری عمر تک جاری رہا۔ اذکار و اشغال و مجاہدات کا اتنا غلبہ ہوا کہ عہد کیا کہ تمام زندگی اپنے پروردگار کی عبادت و مناجات میں گزاروں گا۔ آپ کے والد مرحوم حضرت سید میر منزل شاہ رحمہ اللہ کا وصال ہو گیا تھا، والدہ مکرمہ حیات تھیں، جن کا اصرار تھا کہ ازدواجی زندگی اختیار کریں، لیکن عزمِ عبادت و طاعت کے منافی سمجھ کر انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک خواب میں یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فلاں بی بی سے فلاں خاندان میں عقد

نکاح باندھ رہے ہیں، اس رویائے صالحہ کے بعد انکار ختم ہو گیا اور ازدواجی زندگی میں قدم رکھ ہی لیا اور اس رویائے صادقہ کی تعبیر اس طرح صادق آ گئی۔ مرشد کامل کی تلاش و جستجو کے لئے جب استخارہ کیا تو خواب دیکھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اچھا تم ٹھہرو، میں حق تعالیٰ شائے سے پوچھ کر آتا ہوں، چنانچہ اس ساری حقیقت کا معائنہ خواب میں ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاتے ہیں اور تشریف لاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جس قسم کی شخصیت کو تم چاہتے ہو وہ نہیں ملے گی لیکن تمہیں صبر نہیں آئے گا جاؤ تلاش کرو، چنانچہ ۱۹۰۶ء کے آخر میں یہ سفر شروع ہوا، بنور، سرہند، دہلی بارگاہ سلطان الاولیا اور اجیر خواجہ چشتی کی بارگاہ سے گزرتے ہوئے شاہ جیلاں کے دربار بغداد پہنچے اور ہر جگہ ہر مقام پر چلے اور اعتکاف و مراقبات و مکاشفات کا سلسلہ جاری رہا۔ مہینوں اس طرح بادیہ پیمائی کی، اس درمیان عجیب و غریب واقعات اور حیرت انگیز مبشرات پیش آتے رہے، واپس آ کر تمام ہندوستان کی بادیہ پیمائی کر کے ناسک (صوبہ بمبئی) کے جنگل میں شیروں اور چیتوں کے درمیان تکمیل ریاضات کے لئے ڈیرہ ڈال دیا، ایک مرتبہ ۸ ماہ اور دوبارہ ۹ ماہ کی گوشہ نشینی اختیار کر کے جنوں اور بتوں پر گزارہ کیا۔

لا يزال العبد يتقرب الى بالنوافل حتى كنت سمعه الذى يسمع بي وبصره

الذى يبصرى... الخ [صحيح البخارى، كتاب الرقاق، باب التواضع]

کبھی بندہ بارگاہ ربوبیت میں عبادت کرتے کرتے اس مقام کو پہنچ جاتا ہے کہ

حق تعالیٰ کے کان سے سنتا ہے اور اسی کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

صحیح بخاری کی یہ حدیث پڑھی ضرور تھی لیکن اپنے زمانہ میں اس کا مصداق اپنے والد کو

پایا، چنانچہ ان ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انعام و اکرام سے مالا مال فرمایا، قلب

میں بے پناہ قوت و دیعت کر دی گئی، شدید بارش کے وقت قلب کی طرف توجہ فرماتے اور بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے، اس کا اثر یہ ہوتا کہ ایک مربع میل میں موسلا دھار بارش نہیں ہوتی تھی۔ آفتاب کی شعاعوں کی تہاڑی جب ناقابل برداشت ہوتی تھی تو خواہش ہوتی تھی کہ بادل سایہ فگن رہیں، شیروں اور چیتوں کی آوازوں سے جب جنگل گونجتے لگتا تو قلب کی توجہ کانوں کی طرف مبذول ہو جاتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ کان کسی آواز کو نہیں سن رہے ہیں، ان مجاہدایت و ریاضات نے دل کی دنیا یکسر بدل کر رکھ دی تھی، علم و آگہی، فکر و شعور کا ایک بحر نیکراں قلب میں موجزن تھا، جب کسی مسئلہ پر غور شروع کرتے تو مشاہدہ ہوتا کہ میلوں طویل کاغذات سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور ابتداء سے لے کر آخر تک ساری تحقیقات آنکھوں کے سامنے ہیں، جو حق ہوتا وہی دل میں راسخ ہو جاتا، غرض فطرت کی اس تربیت گاہ میں جو حالات و واردات پیش آئے قلم کو یارائے بیان نہیں۔ فرماتے تھے کہ ان دنوں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کا خاص فضل میرے شامل حال ہے، جو دعا قلب کی زبان سے نکلتی بارگاہ ایزدی سے خلعت قبول لے کر آتی۔

جب علم توجہ اور علم استحضارِ ارواح ”اسپر پیچو ویلزم“ میں قدم رکھا تو روحانی قوت کے وہ کرشمے دیکھے اور عالم ارواح کے وہ عجائبات منکشف ہوئے کہ عقل حیرت میں ہے۔ جب سلب امراض کا ارادہ کیا تو اس درجہ کمال حاصل ہوا کہ بحرِ دارادہ مریض بالکل تندرست ہو کر بیٹھ جاتا تھا کہ جیسے کوئی مرض ہی نہیں۔ جب علم اسرار الحروف و عملیات و تعویذات کی وادی میں قدم رکھا تو اس فن کی ادق کتابیں ”شمس المعارف“ امام بونی کی وغیرہ از بر تھیں۔ طب کی طرف جب توجہ ہوئی تو افغانستان میں ایسے محیر العقول علاج کئے کہ جرمنی، فرانس، لندن و امریکہ سے مایوس العلاج مریض آتے اور ان کے علاج سے شفا یاب ہوتے، بارہا اس قسم کے مریضوں کا علاج کیا اور حیرت انگیز میسجائی دکھائی۔ تجارت کا شوق ہوا تو چین سے سبز چائے اور جاپان سے میناری گری اور

کنلیری کا سامان منگوا کر پشاور شہر بازار گھنٹہ گھر میں ہول سیل کی دکان کر کے تاجروں کو پیچھے دھکیل دیا۔ ٹھیکیداری کا خیال ہوا تو کابل میں بڑے بڑے ٹھیکے لئے یہاں تک کہ امیر امان اللہ خان والی افغانستان کے لئے سب سے پہلے جس نے ہوائی جہاز خریدے وہ حضرت والد ماجد ہی تھے، جس کا پانچ لاکھ روپیہ آج بھی ہمارا قرض افغان گورنمنٹ کے ذمے باقی ہے جو امیر امان اللہ خان کے تحت سلطنت سے محروم ہونے کے بعد طوائف الملوکی کی نذر ہو گئے، یہ واقعہ ۱۳۴۵ھ کا ہے۔

حیدر آباد کن اور بہاول پور میں بڑے بڑے ٹھیکے لئے، بہاول پور میں آج بھی متعدد نہروں کے پل ان کی یادگار ہیں۔ زراعت کا شوق ہوا تو افغانستان کے مشرقی علاقے مقام گجنہ خوگیا نی ضلع جلال آباد میں۔ جہاں حضرت والد ماجد کی نہال سرداران محمد زئی آباد تھے۔ زمین خریدی، اپنے ہاتھ سے انار بیدانہ کے شاخیں اور پودے لگائے جو بعد میں اس علاقے میں بیدانہ انار کا اعلیٰ ترین باغ شمار کیا گیا لیکن چھ ماہ کے اندر ہی سب کو ختم کر کے کابل میں اقامت گزریں ہوئے۔ جب کبھی کچھ کمایا اور ہزاروں کمایا گھر آ کر بیٹھ گئے دو چار ماہ میں سب مال و دولت ٹھکانے لگا دیا، کسی کا مکان بنوا دیا، کسی کی شادی کرادی، جب سب کچھ خرچ ہوا دوبارہ فکر کرنے لگے۔ الغرض اتنی انقلاب انگیز اور ہنگامہ خیز زندگی کسی کی نہ دیکھی نہ سنی اور کمال یہ ہے کہ ان کمالات میں سے کسی بھی کمال کو نہ پیشہ بنایا نہ ذریعہ معاش اور نہ کوئی اہمیت دی، سیلاب آیا اور گذر گیا۔ اکثر زندگی فقیرانہ گذاری، لیکن مہمانداری اور مہمان نوازی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت تھی جو ورثہ میں ملی تھی، ہزاروں لاکھوں کمائے لیکن میرے علم میں نہیں کہ کبھی زکوٰۃ واجب ہونے کا موقع آیا ہو:

قرار در کف آزادگان نگیرد مال

نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

بے شمار مخلوق خدا کے ساتھ احسانات کئے مگر کیا مجال کہ کبھی دل میں اس کا خطرہ بھی گذرا ہو یا زبان پر کبھی ذکر آیا ہو، ان سب کمالات و کرامات میں سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ نے اپنی ہستی کو ایسا مٹا کے چھوڑا کسی کو ان باتوں کی ہوا بھی نہ لگنے دی، آخری زندگی میں کوئی معاش کا ذریعہ اختیار نہیں کیا سب چیزوں کو بالکل ترک کر دیا اور یاد خدا میں مسلسل تیس برس گزارے اور حق تعالیٰ نے راقم الحروف کو خدمت کی سعادت نصیب فرمائی۔ ذلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون۔

اصحاب کمال کے بڑے قدردان تھے، کسی کی بات پسند آجائے اتنی داد دیتے کہ حیرت ہوتی تھی، باوجودیکہ مزاج جلالی تھا لیکن ہر وقت خوش مزاج خوش طبع نظر آتے تھے۔ جس مجلس میں موجود ہوں سکون و وقار کے ساتھ پوری مجلس کی رونق ان سے ہوتی تھی، مزاج آخر تک علمی رہا اور علمی موشگافیوں کی بڑی قدردانی فرماتے تھے۔ ابتدائی عہد تعلیم ہی سے ہی کتابوں پر تعلیقات و حاشیہ نویسی کا شغل رہا، میرا ایسا غوجی جدیدہ اور شرح حاجی گلستاں بوستاں پر ان کی تعلیقات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، خط اتنا پاکیزہ کہ موتی ٹنکے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ خوش نویسی ایسی کہ بسا اوقات ان کے خطوط پر خصوصاً ابتدائی دور کے خطوط پر کسی ایرانی خوشنویس کا شبہ ہونے لگتا ہے، حساب میں اتنی مہارت کہ حیرت ہوتی تھی، حالانکہ تعلیم جدید ٹڈل سے زیادہ نہ تھی لیکن مہارت ایسی کہ آج کل کے ایم اے کو نہ ہو، علمی مشغلہ عرصے سے متروک و مجبور تھا لیکن معلومات تازہ۔

ایک دفعہ ۱۳۴۶ھ میں دیوبند حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی غرض سے تشریف لائے، ان دنوں حضرت شیخ مجھے اپنی کتاب ”ضرب الخاتم علی حدوث العالم“ پڑھاتے تھے، درس میں بیٹھ گئے اور تقریر سنتے رہے، اس وقت اتفاق سے علم

کلام کا ”مسئلہ خلق افعال عباد“ جو مشکل ترین مسئلہ ہے زیر بحث آیا، شیخ نے تقریر فرمائی اور مشکلات سلجھاتے رہے، درمیان میں حضرت والد صاحب سوالات کرتے رہے، حضرت شیخ جوابات دیتے رہے، فراغت درس کے بعد حضرت شیخ نے دریافت فرمایا: حضرت! علمی مشغلہ کب سے متروک ہے؟ فرمایا: پچیس برس ہوئے، حضرت شیخ نے بہت تعجب سے سنا اور پھر مختلف مجالس میں بار بار فرمایا کہ ”ان کے والد کا علمی مشغلہ پچیس سال سے متروک ہے لیکن معلومات عمدہ اور تازہ ہیں“۔ امام العصر جیسے علمی سمندر کی یہ داد کتنی وزنی ہے۔

امام غزالیؒ و امام رازیؒ کے عاشق تھے، ابن تیمیہؒ و ابن القیمؒ کے قدردان تھے اور ان کی تبحر علمی کی داد دیا کرتے تھے۔ شیخ ابن عربیؒ، شیخ اکبر کے انتہائی مدح سرائتھے، مولانا روم کی مثنوی کی علمی مشکلات کی تمثیلات کے بے حد قدردان تھے اور کشف حقائق میں ان کو بے نظیر سمجھتے تھے۔ عربی، فارسی اردو تینوں زبانوں میں عمدہ مصنف تھے، ”مطالع الانوار فی فضائل اہل بیت النبی المختار“ عربی میں اور ”ایضاح المشكلات“ اردو میں جس میں وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود وغیرہ مشکلات تصوف اور مشکلات کلام پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں، دو ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی۔ اپنے خوابوں کو جمع کیا ہے، ”المبشرات“ نام رکھا اور تعلیقات میں ان کی تعبیرات ”عبیر المسرات“ کے نام سے لکھی ہیں۔ روح و نفس کا مقالہ مجلس علمی نے طبع کر دیا ہے۔ فرماتے تھے کہ مجھے صرف تین چیزوں سے محبت ہے: (۱) اللہ تعالیٰ سے (۲) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (۳) اپنی خوابوں سے۔ فرماتے تھے کہ خوابوں سے اس لئے محبت ہے کہ ان میں حق تعالیٰ کا دیدار ہے اور یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہے۔ فرماتے تھے اگر شرعاً جائز ہوتا تو میں اپنے ان خوابوں کو اپنے ساتھ قبر میں دفن کرنے کا حکم دیتا۔ پھر مجھے ان کی حفاظت کی انتہائی وصیت فرمائی۔

الغرض دنیا میں نہ کسی کمال کو چھوڑا، نہ کسی پیشے کو چھوڑا اور سب سے بڑا کمال یہ کہ کسی

کمال کو کمال نہ سمجھا، نہ دل اس میں لگایا، البتہ فرمایا کرتے تھے کہ جو احسانات حق تعالیٰ نے مجھ پر کئے وہ اس دور میں کس پر کئے ہیں؟ وہ بہت سے ادوار ہیں۔ عربی شاعر نے صحیح کہا ہے:

أتزعم انك جرم صغير
وفيك انطوى العالم الاكبر
کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم چھوٹے سے جسم ہو حالانکہ تم میں تمام عالم اکبر سمٹ گیا ہے۔

کوئی اور عربی شاعریوں کو یا ہوا:

ليس على الله بمستنكر
أن يجمع العالم في واحد
حق تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ تمام عالم کو کسی ایک فرد واحد میں جمع کرے۔

امام بخاریؒ سے خواب میں پوری صحیح بخاری پڑھ کر اجازت لی اور حافظ بدرالدین عینیؒ سے عمدۃ القاری اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے فتح الباری پڑھ کر اجازت لی۔ ایک دفعہ افغانستان میں امیر نصر اللہ خان نائب السلطنہ کابل کا ترکہ فروخت ہو رہا تھا اس میں حضرت والا نے ایک ”سمور“ کے پوستین کو ۱۴ ہزار افغانی روپیہ سے خریدا (مساوی ۱۰ ہزار روپیہ ضرب برطانوی) رات کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، محبت آمیز لہجہ میں عتاب فرمایا کہ جب تمہارے پاس دولت ہوتی ہے تو ایسا اسراف کرتے ہو کہ ہزارں کا پوستین خریدتے ہو، ایک شخص آئے گا تمہارے پیٹ میں چاقو مار کر تمہاری آنتیں نکالے گا اور صاف دھو کر پھر رکھ دے گا اور سینہ سی دے گا، یہ شخص نورانی ہوگا اور اس کا چاقو بھی نورانی ہوگا۔ ایک دفعہ ایک بلی پال رکھی تھی، اس نے جگہ ناپاک کر دی، اس کو مارا گھر سے نکال دیا، رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت ہوئی، عتاب فرمایا کہ تم نے کیوں بلی کو مارا؟ کیا وہ عقل و شعور رکھتی ہے؟ خبردار! دوبارہ ایسا نہ کرنا، صبح جا کر بلی کو تلاش کیا اور گھر لائے۔ پڑوس میں ایک نادار نے پانچ روپیہ قرض مانگے، اتفاق سے قرض دینے سے انکار کیا، شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، عتاب فرمایا کہ تم نے سائل کو کیوں روپے نہیں دیئے؟ جاؤ اس کے گھر دے کر آؤ۔ غرض اس طرح عجیب و غریب روحانی تربیت و عظیم ترین تعلق کا سلسلہ قائم تھا۔ کتنے مبشرات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے انتہائی محبت اور وہ تعلق تھا جس کی نظیر عالم میں کم ملے گی۔ ایک دفعہ بیمار ہو گئے تھے، خواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکریا! جب تم بیمار ہوتے ہو تو، میں بھی بیمار ہوتا ہوں، جب تمہارے سر میں درد ہو تو میرے سر میں بھی درد ہوتا ہے۔ اس قسم کے حیرت انگیز منامات اور مبشرات کتنے ہیں۔ ایک دفعہ وسوسہ دل میں آیا کہ سکرات موت میں کیا حالت ہوگی؟ شیطان بہت پریشان کرے گا، خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی فرمایا کہ ”جہاں میں ہوں شیطان کا کیا کام؟“ وفات سے چند روز قبل میں حسب معمول اذان فجر سے کچھ قبل یا بوقت اذان رات کی حالت معلوم کرنے پہنچا فرمایا: آگئے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! فرمایا آج حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیارت ہوئی، پادشاہ خاں (خادم خصوصی جو آخری وقت شب و روز خدمت کرتا تھا اور بے انتہا راحت پہنچاتا تھا) کو فرمایا: اے پادشاہ خاں! جو خدمت تم کر رہے ہو میں بھی کرتا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا مقام تھا۔ حق تعالیٰ کی زیارت کا شرف تو بے شمار مرتبہ حاصل ہوا، ایک دفعہ جب دیدار پُر انوار کی سعادت نصیب ہوئی، حق جل ذکرہ نے فرمایا: ”زکریا! تمہاری مثال میرے سامنے ایسی ہے جیسے کہ ایک ماں کے گود میں دو تین دن کا بچہ ہو، بچہ نہیں جانتا کہ ماں اس کے ساتھ کیا کیا کر رہی ہے؟“ ان ہی ایام میں خواب دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی سے

کہتے ہیں: کہ یا رسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ حق تعالیٰ کرسی پر جلوہ گر ہیں اور میں ان کا طواف کر رہا ہوں، جب یہ بیان شروع کیا وہی صورت و حالت سامنے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب کی تعبیر دے رہے ہیں۔ مجھے تو معلوم نہیں کہ آج تک کبھی کسی نے اس انداز کے مبشرات کی سعادت عظمیٰ حاصل کی ہو۔

بچپن سے دادی اور پھوپھی سے سنا کرتا تھا کہ تمہارے والد کی عمر سو سال ہوگی، جب کہ راقم الحروف کی عمر پانچ برس کی تھی یعنی اب سے ٹھیک ۶۵ برس قبل گھر میں سنا اور ایک دفعہ خود بھی فرمایا کہ میری چھوٹی ہمیشہ ”مریم“ نے ایک دفعہ جب اس پر حالت طاری ہوئی، میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ذکر کیا! تمہاری عمر سو سال ہے سو سال۔ وہ صاحب خوارق و کرامات تھی، واردات و احوال غریبہ طاری ہوتے تھے، اس حالت میں جو بات کہتی تھی یقینی ہوتی تھی، بچپن سے دونوں بھائی بہن کا آپس میں خونی رابطہ سے زیادہ روحانی رابطہ تھا، مکاشفات و واردات میں جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی ایک دوسرے کے لئے سفارش کرتے تھے، ان کا معاملہ فطری تھا، بغیر سابقہ ریاضات کے حالات طاری ہوتے تھے، والد صاحب کا معاملہ ریاضات کے بعد شروع ہوا، دوسری بڑی ہمیشہ یعنی میری عمر نے مجھ سے فرمایا کہ ایک دفعہ شب قدر نصیب ہوئی اور اس کا علم بھی ہوا کہ شب قدر ہے، انھیں وضو کیا، نماز پڑھی، سب سے پہلے دعا اپنے بھائی کے لئے کی کہ ان کی عمر سو سال ہو، یہ باتیں میں سن چکا تھا، بہر حال! اس انقلاب آفرین زندگی کے تمام نشیب و فراز دیکھ کر آخری حیات طیبہ یا خدا میں بسر کی اور ٹھیک سو سال اپنی حیرت انگیز زندگی کے پورے کر کے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کر گئے۔ مسکراتے ہوئے نور کے شعلوں میں واصل بحق ہوئے۔ بلاشبہ یہ صدمہ میری زندگی میں عظیم ترین صدمہ ہے۔ جب سید البشر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جن سے بڑھ کر استقامت و صبر کا

پہاڑ مادرِ گیتی نے نہیں دیکھا نہ کبھی دیکھے گی، سیدنا ابراہیمؑ اپنے جگر گوشے کی وفات پر یوں نغمہ سرا ہیں: ”العین تدمع والقلب یحزن وانا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون“ حضرات صحابہ کرامؓ پر جو صبر و استقامت کے پہاڑ تھے، حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کیا کیا کیفیتیں طاری ہوئی تھیں۔

اے اللہ! ہم تو ضعیف و ناتواں ہیں، ہمیں صبر عطا فرما، اور اے اللہ! اس حادثہ جانکاہ اور روح فرسا میں ہماری اعانت فرما کر احسان فرما۔

اور اے اللہ! میرے والد محترم کے مرقد مبارک کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنا، اور ان کی روح پاک کو اعلیٰ علین میں پہنچا کر اکرام و اعزاز فرما اور اے اللہ! ان کا مسکن و ماویٰ جنت الفردوس کو بنا، اور اے اللہ! ان سے وہ معاملہ فرما جو تیری شان ارحم الراحمین کے شایانِ شان ہو، اور اے اللہ! آپ کا معاملہ جو محبوبانِ بارگاہِ رحمت سے ہے اور جو مقررینِ بارگاہِ قدس سے ہے وہ معاملہ فرما۔ اے اللہ! جس طرح آپ نے اپنی ذات سے اور اپنے حبیب پاک سے دنیا میں جو نسبت ان کو عطا فرمائی تھی آخرت میں اسی کے شایانِ شان رفع درجات و علو مقامات نصیب فرما، جن کے بارے میں یہی کہا جائے ”مالا عین رأّت ولا أذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر“۔

اور اے اللہ! جس طرح ان کا آپ پر حسن ظن تھا اس کے مطابق معاملہ فرما اور اے اللہ! جس چیز کو ہم نہ جانتے ہیں اور نہ اسے اپنے جہل سے مانگ سکتے ہیں ان کو وہ نعمتیں نصیب فرما کر سرفراز فرما۔

اور اے اللہ! جس طرح آپ نے ہمیں ان کی حیات طیبہ میں دعواتِ سحری اور نالہائے نیم شبی کے برکات سے سرفراز فرمایا تھا، مفارقت کے بعد ان کی روح پر فتوح کی برکات سے مالا مال فرما کر سرفراز فرما، تیری رحمت بہت وسیع ہے اور تیری قدرت بہت محیط ہے، اور اے اللہ!

پشاور سے لے کر کراچی تک اور کراچی سے لے کر افریقہ تک اور افریقہ سے لے کر لندن و یورپ تک جن مخلصین و محسنین نے ایصالِ ثواب کر کے احسان فرمایا ہے اور جو محسنین ایصالِ ثواب فرما رہے ہیں ان سب کو اجرِ عظیم عطا فرما کر احسان فرما اور جن کے بے شمار تعزیت کے ٹیلی گرام اور بے شمار خطوط تعزیت آئے ہیں ان سب حضرات کا رفعِ درجات فرما۔ اور اے اللہ! ہمارے قلبِ حزیں اور پسماندگان کے قلوبِ محزونہ کو صبر و سکون عطا فرما کر احسان عظیم فرما۔

فالعیون دامعة والقلوب فاجعة ونحن بفراقه لمحزونون، ولا نقول إلا ما
یرضی به ربنا تبارک وتعالی هذا وصلى الله على خير البشر اصبر من جاء
ومن غير صاحب القبر الا طهر الانور ومن تسكن قلوب المحبين بحبه
وبذكره وبفكره، كلما ذكر وخطر

[رجب المرجب ۱۳۹۵ھ - اگست ۱۹۷۵ء]

نامناسب نہ ہوگا کہ اگر ان خطوط تعزیت میں سے دو تعزیت نامے شائع کروں۔ ایک
تعزیت نامہ برادرِ محترم مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج کا ہے۔ دوسرا
تعزیت نامہ برادرِ محترم مولانا عبدالقدوس صاحب قاسمی کا جو شعبہ اسلامیات کے سابق صدر
پشاور یونیورسٹی کے ہیں۔ وجزاھما اللہ خیرا بحسن عزائھا۔

مخدومی و مطاعی حضرت الاستاذ المکرم رزقکم اللہ صبرا جمیلا وعافیة کاملہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

ابھی ابھی حضرت آغا جی نور اللہ مرقدہ و اعلی اللہ مقامہ کی وفاتِ حسرتِ آیات کی
خبر ”نوائے وقت“ میں پڑھی۔ جس بات کا اندیشہ تھا آخر ہو ہی گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون اللہم اغفرلہ وارحمہ وأنزل علیہ شآبيب رحمتک

وبرد مضجعه وأدخله في أعلى الجنة جنة الفردوس وارزقنا وارزق أهله
صبرا جميلا.

اللہ تعالیٰ اس حادثہ کبریٰ میں آپ کو صبر و استقامت عطا فرمائے۔ موت حق ہے، آج وہ کل ہماری باری ہے۔ لیکن حضرت آغا جی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موت ایک عصر کا خاتمہ، عالم کی موت، ایک گوشہ نشین محقق، ایک انتہائی بلند پایہ مصنف، ایک باخدا درویش، ایک مرتاض صوفی، ایک عارف یگانہ اور ایک عظیم شخصیت کی موت ہے، جسے زندگی میں زمانہ نے کما حقہ نہیں پہچانا اور نہ ان کی وہ قدر کی جیسا ان کا حق تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ علم و عرفان عقل و ذوق کا ایسا آمیزہ مدتوں میں دیکھنے میں آتا ہے:

سا لہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
ناز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

ان کے مجاہدات، ان کی کرامات، ان پر باری تعالیٰ کے مخصوص احسانات و خصائص تو دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہی رہیں گے کہ وہ اس جنس انمول کے دکھاوے سے گرد آلود نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کی مرنجان مرنج طبیعت، ان کے گونا گوں فضائل، ان کی محبت، فقیر پر خصوصی نوازشیں، ہر ایک سے بزرگانہ شفقت، دلبرانہ عتاب جب یاد آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے، بہر حال زمانہ نے ایک فرد وحید اور گوہر عجیب کو گم کر دیا۔ جن لوگوں نے حضرت قدس سرہ کو بے تکلفی کے عالم میں نہیں دیکھا وہ کیا جانے کہ عالم کس آفتاب نور و برکت سے محروم ہو گیا۔ نہ صرف پشاور، نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اپنے ایک عظیم و بزرگ فرزند سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کی ہر بشری لغزش و خطا کو ان کے جدا مجاہد، سید السادات، شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے اور جنت میں اپنے دادا جان

علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ اور آپ کو اور عزیز محمد اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس حادثہ جانکاہ میں خود ہی آپ کا منس و غمگسار ہو اور ان کی برکات و فیوض اور ان کی روح پر فتوح کے فیضان سے آپ کو اور ہم سب کو ہمیشہ مالا مال رکھے۔ آمین۔

دل روتا ہے آہ! وہ شفقتیں، بزرگانہ محبتیں، دل نوازیں، ہمت افزائیاں، عطا و وفا کہاں ملے گی، رخصت اے مرد درویش رخصت آہ: الفراق الی یوم التلاق۔

مملو فی الحیاة وفی الممات لحق انت احدی المعجزات
 علیہ تحیة الرحمت تتری برحمت غواد رائحات
 صدمہ عظیم ہے، یہ اشکبار اس بارے میں پورا شریک غم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی غمگساری فرمائے اور آپ کو اس صدمہ اپنی انتہائی نوازشوں اور رحمتوں سے نوازے۔ انشاء اللہ

کراچی میں حاضری پر تعزیت کی سعادت حاصل کروں گا۔ بندہ کے جملہ متعلقین اور آپ کے اور حضرت آغا جی مرحوم کے دسترخوان کرم بہت بہت تعزیت اور اظہار غم کرتے ہیں، میرے تمام عزیزوں کی طرف سے پرسنہ غم قبول فرمائے۔

والسلام

شریک غم خاکپائے بزرگان

محمد اشرف

مخدومی المخترم عزى الله مصابكم
السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ:

آغا جی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت آپ کے لئے تو مصابِ عظیم ہے، ہم سب منتسبین کو بھی
علی تفاوت الدرجات اس حادثہ فاجعہ میں کچھ حصہ ضرور ملا۔ اس عاجز کے بس میں اور تو کچھ نہ تھا
صرف دعائی تھی۔ اپنے گھر پر چند علما و ارحباب و مخلصین کو دعوت دی کہ ان کے ایصالِ ثواب کے
لئے ختم قرآن کریم پڑھا جائے، اور اس وقت سے لے کر اب تک دعاؤں میں یاد جاری ہے،
آغا جی رحمۃ اللہ علیہ میں خاندانِ سادات کے بہت سے آثار نمایاں تھے۔ ان کی ذہانت،
جرات، شہامت، علم، سخا، تقویٰ، اخلاص، شفقت کس کس وصف کو انسان بھول سکتا ہے، چند دن
کی صحبت جو کراچی میں میسر آئی اس میں مجھے شفقتِ پدری کا سکون محسوس ہوتا رہا۔ یہاں کے
مشاغل نے بہانہ بن کر آخری ایام کی دعاؤں سے محروم کر دیا۔ ورنہ کئی دفعہ ارادہ کیا کہ اور کچھ نہ
ہو تو کم از کم ایک ہفتہ کے لئے حاضری دے آؤں۔ ان کے وصال کے بعد بھی آج تک اسی حیص
بیس میں رہا کہ عریضہ کی بجائے خود ہی حاضر ہو کر شریکِ تعزیت ہو جاؤں، مگر گرمی کی شدت
بڑھتی چلی گئی، اس لئے بالاخر اس عریضہ کی تقدیم لازمی نظر آئی۔

اخبارات میں تا حال روزانہ علماء و طلبہ کی طرف سے مجالسِ ایصالِ ثواب کی اطلاعات
چھپتی رہتی ہیں۔ یعنی ملک بھر سے تحائف ان کی روح مبارک کو برابر پہنچ رہے ہیں۔ ان کے
اپنے اعمالِ خیر بھی عظیم تھے، ان تحائف کا ازدواج ان کے درجات کو مزید ارفع و اعلیٰ کر دے گا۔
واللہ عنده حسن الثواب۔

آغا جی رحمۃ اللہ علیہ ان آخری ایام میں (جب کہ میں کراچی میں تھا) آپ کا ذکر
ہمیشہ بہت احترام و محبت کے لہجے میں کیا کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جذباتِ محبت زیادہ

ترقی پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ ان کے جذباتِ محبت کے ثمرات آپ کی ذات کو اور آپ کے جذباتِ شوقِ خدمت اور ادعیہِ اخلاص کے ثمرات ان کی روح کو احسن مایحزی والد عن ولدہ عطا فرمائے۔

حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہ نے مولانا محمد ایوب بنوری کے والد مرحوم کی تعزیت کے موقع پر ان کو یہ شعر سنایا تھا، یہ عاجز بھی بزرگوں کی تقلید کے طور پر اس کا اعادہ کرتا ہے:

خیر من العباس اجرک بعدہ
واللہ خیر منک للعباس

والسلام

دعا جو

محمد عبدالقدوس

(معرفت شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی)